فلسفیانہ رجحانات کا مطالعہ ان کی نثر کی تحریرون سے بہت کم کیا گیا ہے، زیر نظر کتاب مین ڈاکٹر عشرت حسن انور نے اس کمی کو پورا کیا ہے، اور ڈاکٹر اقبال مرحوم کے مابعد الطبیعیاتی فلسفہ کا تجزیہ ان کے لکچرون Reconstruction of Religious thoughts in Islam کے ذریعہ سے کیا گیا ہے، مولف کی راے مین ڈاکٹر صاحب مرحوم اپنے فلسفیانہ خیالات مین برگسان، نطشے اور میک ٹگارٹ سے متاثر تھے، چنانچہ زیر نظر کتاب مین ان فلسفیون اور ڈاکٹر صاحب مرحوم کے خیالات کا بالموازنہ مطالعہ کیا گیا ہے، ان مباحث کے پڑھنے کے بعد اقبال کے وجدان، خودی، عالم، اور خدا کے اساسی تخیل کے سمجھنے مین بڑی مدد ملے گی، ڈاکٹر سید ظفر الحسن (سابق پروفیسر فلسفہ مسلم یونیورسٹی) کی اس راے سے جو انھون نے پیش لفظ مین لکھی ہے، کہ ڈاکٹر عشرت حسن نے اس رسالہ کو لکھکر ہندوستان کے فلسفی شاعر کی بڑی خدمت کی ہے، ہم بھی اتفاق کرتے ہین،

Iqbal as a thinker

تقطیع متوسط ضخامت ۳۰۰ صفحے،

لکھائی چھپائی، بہتر قیمت صہ

یہ کتاب ان اہم مضامین کا مجموعہ ہے، جو ہندوستان کے مختلف ممتاز اصحاب علم نے ڈاکٹر اقبال مرحوم کی شاعری اور فلسفہ پر وقتاً فوقتاً سپرد قلم کئے، مقالہ نگارون اور مضامین کی حسب ذیل فہرست سے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہوگا، اقبال کے زمان و مکان کا تخیل از ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، اقبال کے خیالات تہ ترقی پسندی کے رجحانات از جناب خواجہ غلام السیدین، اقبال اور خدا کا تخیل از پروفیسر محمد شریف، رومی، نطشے اور اقبال از ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم، اقبال اور تصوف از پروفیسر فضل الرحمن، اقبال کا سیاسی نظریہ از ڈاکٹر عزیز احمد، اقبال اور آرٹ کا تخیل از پروفیسر کلیم الدین احمد، اقبال کی توجہ خدا و ند تعالیٰ کی طرف از پروفیسر فیاض محمود، یہ کتاب ڈاکٹر اقبال مرحوم کی مختلف حیثیتون کے مطالعہ کے لئے نہ صرف مفید ہے، بلکہ اقبال کے عقیدتمندون کے لئے ایک علمی خوان ہے، جس پر انواع و اقسام کے کھانے چنے ہوے ہین،

"ص ع"

جلد ۵۷ — ماہ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۴۶ء — عدد ۲

مضامین

شذرات

دنیا مین قومون کی تقسیم عام طور سے نسل وطن اور زبان کی بنا پر کی جاتی رہی ہے، اسلام سے پہلے بھی یہی تقسیم تھی، اور اب جبکہ اسلام دنیا کی قوت غالبہ نہین، یہی تقسیم جاری ہے، اور افسوس یہ ہے کہ عیسائی قومون کی تقلید مین مسلمانون مین بھی نسل پرستی اور وطن پرستی کا یہی جذبہ کام کر رہا ہے، ٹرکی، مصر، ایران، عراق، شام، ہر جگہ اسی اصول پر علحدہ علحدہ حکومتین اور ریاستین بن رہی ہین، نتیجہ یہ کہ ان حکومتون کے تحت مین جو بعض چھوٹی قومین اور قبیلے ہین، وہ بھی اپنے لئے ایک ایک علحدہ ریاست کا مطالبہ کر رہے ہین، گذشتہ جنگ مین ٹرکی کا شیرازہ بکھرا اور وہ صرف ترکی نسل کی حکومت ہو کر رہ گئی، اور اب اس جنگ مین ایران کا قومی شیرازہ بکھرتا نظر آتا ہے، آذربائجان اپنی نسل و زبان کی خود مختاری کا علم کھڑا کر چکا ہے، اور اس کے بعد دوسرے قبیلون کی باری آنے والی ہے، اسی طرح عراق مین کرد اپنی خود مختاری کے لئے بیچین ہین، حالانکہ ان کا رقبہ ایک چھوٹے سے ضلع کے برابر بھی نہین،

غور اس پر کرنا ہے کہ ایسا کیون ہو رہا ہے، بات یہ ہے کہ اسلام نے اپنے پیرودن کو اسلامی اخوت، دینی وحدت اور نظام قانون و معاشرت کی جو یکجہتی بخشی تھی، جس سے دریاے سندھ کے کنارون سے لیکر بحر اٹلانٹک تک ایک مسلمان امت بن گئی تھی، اس متحدہ امت کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہ کر سکی، یورپ جو ہمیشہ سے وطنیت و نسلیت کا دلدادہ رہا ہے، اس نے جب اپنی نشاۃ جدیدہ مین اس طاقت کے بل بوتے پر نئی طاقت حاصل کی، تو اپنا مد مقابل دولت عثمانیہ کو پایا، جو گو زوال پذیر ہو رہی تھی، تاہم اس کی متحدہ طاقت باقی تھی، اس مین ترک، عرب، افریقی، شامی، مصری، عراقی، کردی، یمنی، نجدی، حجازی کی کوئی تقسیم نہ تھی، ایک اسلامی مشترکہ دولت تھی، جس مین ہر مسلمان برابر کا حق رکھتا تھا، اور وقت پر لڑائی کے میدان مین نہ صرف ترک بلکہ ہر مسلمان اس کی فوج کا سپاہی تھا،

دولت عثمانیہ کی اس مشترکہ متحدہ طاقت کے توڑنے کے لئے یورپین مفکرین نے جن مین مسٹر بلنٹ کا نام سب سے نمایان ہے، بہت بڑا حصہ لیا، اور خود ترکون اور عربون نے یہ سمجھ کر کہ یہ وطنیت پرستی ہی یورپ کی ترقی کا راز ہے، اس کو اختیار کرنا شروع کیا، اور اس کے نتیجے کے طور پر گذشتہ جنگ مین اس مشترکہ دولت اسلامیہ کا شیرازہ کھل گیا، اور ایک دولت اسلامیہ ٹوٹ کر چھوٹی چھوٹی آٹھ دس ریاستین بن گئین، پھر ایک ٹرکی کے سوا باقی سب صیاد کے جال مین آگئیں،

ایک اور نقطۂ نظر سے بھی مسلمان قومون کو اس صورت حال پر غور کرنا چاہئے، یہ زمانہ تعدادی تفوق کا ہے، مسلمانون کا کوئی ملک، ہندوستان، روس، جزائر ہند اور چین کے سوا تعدادی تفوق نہین رکھتا، ٹرکی سلطنت کی آبادی ڈیڑھ کروڑ، مصر کی ایک کروڑ، ایران، افغانستان، اور کل عرب مل کر سب کی ایک ایک ہی کروڑ کم و بیش ہوگی، مراکش کی تعداد پچاس ساٹھ لاکھ، الجزائر اور ٹیونس کی تعداد بھی دس دس پندرہ پندرہ لاکھ ہوگی، ہندوستان کی ۹ کروڑ کی اسلامی تعداد ۳۲ کروڑ مین، اور چین کے چار کروڑ مسلمان چالیس کروڑ انسانون مین مخلوط، اور روس کے چار کروڑ کاشغر سے لیکر کریمیا تک روسیون کے پنجہ مین گرفتار، جزائر ہند کا سانحہ ابھی آپ کے سامنے ہے کہ تعدادی تفوق کے باوجود اس کو تنہا ڈچون کا نہین، بلکہ انگریزون کا بھی مقابلہ کرنا پڑا اور اس کا کوئی نتیجہ نہین

اس کے مقابلہ مین عیسائیون کو آپ دیکھین گے کہ ان کی متعدد قومین تعدادی لحاظ سے ایسی اہمیت رکھتی ہین کہ وہ چاہین تو وطنی و نسلی بنیادون پر اپنے وجود کو قائم رکھ سکتی ہین، انگریز چھ کروڑ، فرانس چار کروڑ، جرمنی ۸ کروڑ، روس اٹھارہ کروڑ اور ان کے سہارے ان کی چھوٹی چھوٹی قومین چھوٹی چھوٹی ریاستون مین قابض ہین، ابھی آپکے سامنے ہے کہ چالیس لاکھ ڈچ چار کروڑ جاوی مسلمانون کو انگریزی سپاہیون کی مدد سے زیر کر رہے ہین، پہلے بھی آپنے دیکھا تھا، کہ رئیف کا امیر عبد الکریم چند لاکھ مسلمانون کے ساتھ جب اسپین کے قبضہ سے اپنے ملک کو نکال رہا تھا تو فرانس نے اپنی فوجی طاقت سے اس کی کوششون کو خاک مین ملا دیا، گویا یہ طے کر لیا گیا ہے کہ یورپ کی قومون کے سوا دنیا کی کسی اور قوم کو مستقل حکومت کا حق حاصل نہین ہے،

اب ہم کو اس پر غور کرنا ہے کہ چھوٹی تعداد کی قومین کس طرح دنیا مین زندہ رہ سکتی ہین، اس کی صورت

صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ نسلی و وطنی قومیتوں کے گھروندے سے نکل کر وہ اپنی ایک نظامی وحدت قائم کرین،

اسلام نے قوموں کی جو وحدت قائم کی تھی، وہ اسی اصول پر تھی، اس نے عرب و ترک و تاتار و ایران و سندھ و عراق و شام و مصر کو ملا کر ایک ایسے نظامِ وحدت مین بدل دیا تھا، جس کا ذہنی تصور جس کا نام عقیدہ ہے، ایک ہو گیا، ان کا نظامِ دین، نظامِ اقتصاد و معیشت، نظامِ قانون و شریعت اور نظامِ اخلاق و معاشرت ایک تھا، اور اس سارے دار الاسلام مین ساری دنیا کے مسلمانون کے حقوق یکسان تھے،

آج بھی دیکھئے کہ روس نے بیسیون قومون کو اپنے ایک نظامِ معیشت مین جیسا کہ اس کا بیان ہے، ایک کر رکھا ہے، انگریزون نے دولتِ مشترکہ کا تصور پیش کیا ہے، اور اپنی مملوکات اور نوآبادیون کو ایک خاص سلسلہ مین منظم کرنا چاہتے ہین، پھر کیا مسلمان قومین اپنے لئے اوس نظامِ وحدت سے جس کو لے کر ان کا دین پیدا ہوا ہے، اپنی قوت و طاقت کا نیا شیرازہ نہین بنا سکتین، لیکن ظاہر ہے کہ کسی نظام کو قبول کرنے کے لئے اس کے ساتھ دلی عقیدت، اور اس کے قیام کے لئے سرفروشی، اور اس کی راہ مین جو موانع پیش آئین ان کو دور کرنے کے لئے پوری ہمت و عزیمت درکار ہے، ہندوستان کے مسلمان اگر اپنے مستقل وجود کی اہمیت کو نہ سمجھین گے تو تہند یا تفرنج کے دو عمیق گڑھون سے جو ان کے سامنے ہین، ان کا بچ نکلنا مشکل نظر آتا ہے، ع جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محملہا،

ہندوستان کے مسلمان دوہری مصیبتون مین گرفتار ہین، ایک طرف ہندو اکثریت اور دوسری طرف بیرونی طاقت، ایک جماعت پہلی مصیبت کو اہمیت دیتی ہے اور دوسری دوسری کو، اور اس پر باہم دست و گریبان ہے حالانکہ اگر پہلی کے لئے تہند کا خطرہ ہے، تو دوسری کے لئے تفرنج کا اور مسلمانون کے لئے دونون ہی خطرے شدید ہین ضرورت ہے کہ جماعتی سیاسیات سے الگ ہو کر ہم اس مسئلہ کی اہمیت پر غور کرین اور اس کی تدبیر سوچین تاکہ ہم ان خطرات سے بچ سکین، جن مین آج دنیائے اسلام کے اکثر ترقی خواہ ملک گرفتار ہین

آج دنیا کی چھوٹی چھوٹی مردہ قومین اپنی از سرِ نو مستقل زندگی کے لئے سرگرمِ عمل ہین، یہود کی آوارہ قوم آج جان و مال کی قوت پر فلسطین مین سمٹ رہی ہے اور سن رہے ہین کہ انڈمان کے جزیرہ کو پارسی قوم اپنے لئے پسند کر رہی ہے تاکہ وہان اپنے لئے مستقل نظامِ حیات کا سامان کر کے زردشتی آئین کے سایہ مین اپنی نئی زندگی شروع کرے، ان دونون واقعون مین ہندوستان کے مسلمانون کے لئے عبرت کا سامان موجود ہے،

مقالات

تصادمِ قوانین کا اسلامی تصور و عمل

از

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صدیقی استاذ شعبۂ قانون جامعۂ عثمانیہ

قانون کی ایک شاخ ہے جسے خانگی یا شخصی قانون بین الممالک بھی کہتے ہین، اور "تصادمِ قوانین" بھی، اگرچہ تصادمِ قوانین اصل مین اس شعبۂ علم کے ایک باب کا نام ہے، لیکن اس جزء کا کل پر بھی بلا امتیاز اطلاق عام طور سے ہوتا ہے، اس کی اہمیت مین روز بروز اسی تناسب سے اضافہ ہوتا جا رہا ہے، جس تناسب سے دنیا کی خود مختار اور مقتدر قومون مین خود اکتفائی کی جگہ باہمی احتیاج نیز ثقافتی نقطۂ نظر سے روشن خیالی اور وسعتِ قلب بڑھ رہی ہے، اس علم مین زیادہ تر اجنبیون کی قومیت اور اُن کے مسائل شخصی اور ان پر اختیارِ سماعت سے بحث ہوتی ہے،

یہ امر ملحوظ رہے کہ عمومی قانون بین الممالک اور خانگی قانون بین الممالک مین کوئی مکمل حد فاصل نہین قائم کی جا سکتی، بلکہ واقعہ یہ ہے، کہ بعض مسائل سے ان دونون علمون مین بحث ہوتی ہے، غالباً یہی وجہ تھی، کہ مسلمان فقہائے سلف نے ان دونون سے الگ الگ ابواب مین بحث کرنے کے بجائے فقہ کی کتابون مین ایک ہی باب مین دونون کا ذکر مناسب خیال کیا تھا، لیکن ہماری موجودہ ضروریات کا تقاضا ہے کہ اس کی کوشش کی جائے، کہ متعلقہ مواد کو چن کر الگ کر کے ایک مستقل شکل دینے کی

سی کی جائے، یہ موضوع اس قابل ہے کہ اس پر ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب لکھی جائے، اس موضوع پر مواد کی بھی کوئی کمی نہین، لیکن آج کی صحبت مین صرف اس کے خط وخال پر عام روشناسی کافی ہوگی،

مین نے یہان "اسلامی تصادم قوانین" کی اصطلاح عمداً استعمال نہین کی ہے، کیونکہ اس سے یہ گمان ہوسکتا تھا، کہ مختلف مذاہب فقہ مین تصادم ہو، مثلاً ایک فریق مقدمہ سُنی ہو اور دوسرا شیعہ، تو فیصلہ کس کے قانون کے مطابق کیا جائے؟ یہان مین اس سے زیادہ وسیع مفہوم سے بحث کرنا چاہتا ہون، مسلمانون کے تصور تصادم قوانین سے بحث کرتے وقت حسب ذیل قسم کے مسائل کا ذکر کرنا ہوگا:-

(۱) مسئلہ قومیت اور

(۲) مستامنون یعنی امن لے کر ہمارے ملک مین عارضی طور سے آئے ہوئے غیر ملکیون ہی سے بحث نہ ہوگی، بلکہ

(۳) تصادم قوانین سے،

(ا) جب کہ ایک فریق مقدمہ مسلمان اور دوسرا غیر مسلم ہو،

(ب) جب کہ دونون غیر مسلم ہون لیکن الگ الگ ملتون کے ہون،

(ج) جب کہ فریقین مسلمان تو ہون لیکن الگ الگ مذاہب فقہ کے پیرو ہون،

(د) بر بنائے تبدیل دین — نیز

(۴) اسلامی مملکت کی مسلم رعایا کی حیثیت سے بھی جب کہ وہ

(ا) کسی دوسری اسلامی مملکت مین،

(ب) کسی غیر مسلم مملکت مین ہون،

ایک مختصر مضمون مین سرسری خاکے کے سوا اس پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہین، اس کے علاوہ

اس مضمون مین صرف راسخ العقیدہ لوگون کے خیالات سے بحث کیجائے گی، ان قدیم یا جدید رواجون سے بحث نہ ہوگی، جو مسلمانون کی مملکتون مین پائے تو جاتے ہون، لیکن جن کی اسلامی قانون اجازت نہ دیتا ہو،

۱- قومیت

جس چیز کو آج کل ہم قومیت کی اصطلاح سے تعبیر کرتے ہین، اس کا آغاز خونی رشتہ سے ہوا ہوگا اور انسانی تمدن مین ترقی پر دیگر عوامل بھی سیاسی وحدتون مین استحکام پیدا کرنے مین حصہ لیتے رہے ہون گے، چنانچہ ہمین جغرافی، لسانی، نسلی، رنگی، قبائلی اور دیگر عصبیتون سے سابقہ پڑتا ہے، اور مختلف زمانون اور مختلف اقلیمون مین انھی عصبیتون مین سے کسی نہ کسی کو قومیت کا اثر انداز اور علمی نام دیا جاتا رہا ہے، اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس قسم کا شعور ان سیاسی وحدتون مین پایا جاتا رہا ہے،

گہوارۂ اسلام یعنی عرب مین بھی زمانۂ جاہلیت مین یہی چیز رہی ہوگی، یہ قدرت الٰہی کا کرشمہ تھا کہ عرب کے قبائلیت زدہ علاقے کے سب سے زیادہ مغرور اور خود پسند گروہ آبادی یعنی قریش کے ایک فرد کا انتخاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس غرض کے لئے ہو کہ وہ پیغمبر اسلام کی حیثیت سے خدا کی طرف سے یہ اعلان کرے کہ

"لوگو! ہم نے تمھین ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا، اور تمھین قومین اور قبیلے بنایا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، لیکن یاد رہے کہ تم مین سے سب سے زیادہ معزز خدا کے پاس وہی ہے، جو تم مین سے سب سے زیادہ متقی ہو، بیشک خدا جاننے والا اور باخبر ہے" (قرآن مجید سورہ نمبر ۴۹ آیت ۱۳)

اس اعلان نے قومیت کے مسئلہ پر تصور انسانی مین ایک انقلاب، اور ایک نئی مرکزیت پیدا کر دی، آیت بالا کو اسلامی نظریۂ قومیت کا منشور اساسی قرار دیا جاسکتا ہے، اس پر عہد نبوی مین اور اس کے بعد سے آج تک ہر زمانہ مین عمل ہوتا رہا، اور روئے زمین پر جہان کہین ہلال کا پھریرا

ادتا اس کے معنی انسانون مین مساوات اور پرہیزگار کے تقدم کے رہے،

اس بیان سے بعضون کو یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے، کہ اسلام مین دین اور قومیت مین کوئی فرق نہین، لیکن یہ یاد رہے، کہ دین کے وہ معنی جو آج کل یورپ مین لئے جاتے ہین، وہ مسلمانون کا معہود ذہنی نہین، اس لئے غالباً یہ کہنا محفوظ تر اور صحیح تر ہوگا، کہ نسلی، جغرافی لسانی، یا کسی اور مروجہ مفہوم کی رشتہ داری نہین، بلکہ ایک ہی مطمح نظر یا تصور حیات مین شرکت وہ چیز ہے، جسے اسلامی نقطۂ نظر سے قومیت خیال کیا جاتا ہے، کیونکہ اگر ہم دین سے مراد انسان اور اس کے خالق کے تعلقات لین تو اس معنی کے لحاظ سے اسلام محض ایک دین نہین رہتا، بلکہ اس سے کہین وسیع مفہوم رکھتا ہے، چنانچہ اسلام اپنے پیروؤن کو ہر شعبۂ حیات مین چاہے وہ روحانی ہو یا مادی و سماجی مکمل رہنمائی کرتا، اور قواعد و احکام بتاتا ہے، اس نقطۂ نظر سے اسلام اس برہمنیت کے خلاف بھی احتجاج تھا جس کے مطابق نجات صرف ان لوگون کو حاصل ہوسکتی ہے، جو برہمنون کے موروثی طبقے مین پیدا ہون، اسلام اس مسیحیت کے خلاف بھی احتجاج تھا جس کے لحاظ سے انسان فطرۃً گنہگار ہے، اور اپنے اعمال کے لئے انفرادی طور پر جواب دہ نہین ہے، بلکہ اس کی نجات کے لئے کسی اور کو قربان کر دیا گیا ہے، اسی طرح وہ اس مجوسیت اور مزدکیت اور بت پرستی وغیرہ کے خلاف بھی احتجاج تھا، جو انسانون سے اس کا اختیار سلب کر لیتے ہون،

کوئی شخص اپنی نسلی قومیت کو اصولاً بدل نہین سکتا، (زمانۂ حال مین جو اختیار دیا جانے لگا ہے وہ ذیلی چیز ہے) اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے، کہ کوئی اصولاً اپنی لونی یا رنگی قومیت کو بھی بدل سکے، چنانچہ ہندوستانی اور یورپی گو ایک ہی نسل سے سمجھے جاتے ہین، لیکن جنوبی افریقہ کی سیاسیات مین رنگ کا فرق جو معنی رکھتا ہے، وہ اس مفہوم کو اچھی طرح واضح کر سکتا ہے، کسی کے لئے اپنی لسانی قومیت کا بدل دینا بھی تقریباً اتنا ہی مشکل ہے، اگر آدمؑ و حواؑ کے ایک ہی جوڑے کی اولاد مین دوبارہ اتحاد پیدا کرنا، اور ان کے مرکز گریز رجحانون کو بھی ختم کرنا ہے، تو اس کا ذریعہ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ ہے، کہ قومیت

کو ایک قدرتی حادثہ کی جگہ اختیاری چیز قرار دیا جائے، اور اسلام نے جس رشتہ کو قومیت کے لئے چنا ہے، وہ ایمان یا تصور حیات ہے، اس کے علاوہ دیگر اساس ہائے قومیت کے متعلق اسلام نے یہ قرار دیا ہے کہ

"تمھارا زبانون اور رنگون مین اختلاف، تو اس مین بے شک (خالق کے کمال کی) نشانیان جاننے والے لوگون کے لئے ہین، (قرآن مجید سورہ نمبر ۳۰، آیت ۲۲)

ایمان کے سوا دیگر اساس ہائے قومیت اسلام کے نزدیک کوئی اور معنی نہین رکھتین، تقریباً ایک صفحہ پہلے جو آیت نقل کی گئی تھی، اس مین نسلی بنیاد کو اسلام نے ٹھکرا دیا تھا، یہان لسانی اور لونی فرق کو بہت ہی غیر اہم حیثیت پر پہنچا دیا گیا ہے، اور انسان کے اختیار یا ایمان کی ہمہ گیر اہمیت پر زور دیتے ہوئے اسلام نے ایک طرح کا بنیادی عقیدہ (Basic faith) بھی مرتب کر دیا، یعنی وہ کم سے کم چیز جس کا ماننا کسی سچے اور اچھے انسان کے لئے ضروری ہے اور جس کا قبول کرنا انسانون کی اکثریت کے لئے آسان بھی ہے، چنانچہ ارشاد ہوا کہ

"جو لوگ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دی ہوئی چیزون پر) ایمان لائے، اور جو یہودی ہین اور نصرانی اور صابئی — جو بھی خدا پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور نیک کام کرے، تو یقیناً ایسے لوگون کا بدلہ اُن کے آقا کے پاس ملے گا، اور انھین نہ کوئی خوف کرنا چاہئے اور نہ ہی وہ افسوس کرین گے،" (قرآن مجید ۲/۶۲ نیز ۵/۶۹)

لیکن ناظرین کو ایک چیز بتا دینی چاہئے، ورنہ مجھ پر تاریخ سے ناواقف ہونے کا الزام لگایا جائے گا، مین جانتا ہون کہ تاریخ اسلام مین خود مسلمانون مین خاصے پرانے زمانہ سے سیاسی ذیلی قومیتیں پیدا ہوتی رہی ہین، ان کا آغاز شیعہ سُنی اختلاف سے ہوا اور دیگر شاخون کا پھوٹنا محض وقت آنے کی بات تھی، کچھ عرصہ بعد تو خود راسخ العقیدہ سُنی ائمہ بھی تسلیم کرنے لگے کہ

لان الدارین فی الاصل ما امتازا
الا باجراء الاحکام وتنفیذ الولایات
وکذلک الولایات المختلفة فی دار
الاسلام بین ملوک الاسلام
لا تمتاز الا بالغلبة واجراء الاحکام
(کتاب الاسرار للدبوسی ورق نمبر ۱۵ اب
مخطوط کتب خانہ ولی الدین استانبول)

جس طرح دار الاسلام اور دار الحرب
مین امتیاز احکام کا اجراء اور نفاذ اقتدار
کے سوا کسی اور چیز سے نہین ہوتا، اسی
طرح دار الاسلام کے اندر بھی مختلف علاقون
مین جو اسلامی بادشاہون کے قبضہ مین
ہوتے ہین، تسلط اور اجرائے احکام ہی
سے امتیاز کیا جاسکتا ہے،

یہ مشہور حنفی امام ابوزید الدبوسی کا بیان ہے، جن کی وفات سنہ ۴۳۰ھ میں خلافت عباسیہ کے زمانہ مین ہوئی تھی، یہان جس ذیلی تقسیم اور دار الاسلام کے تجربہ کا ذکر ہے، وہ بھی قومیت کے متعلق ذیلی انتخاب ہی کہا جاسکتا ہے، کوئی اصل اور قدرتی حادثہ نہین کہا جاسکتا ہین شاید یہ بھی کہہ سکتا ہون کہ اسلامی بادشاہتون کے یہ اختلافات معمولی اور ضمنی چیزین یا گھریلو جھگڑے ہین، نہ کہ ایک دوسرے سے جدائی اور علحدگی و اجنبیت،

مجھے اس واقعہ سے بھی انکار نہین، کہ جدید مغربی تمدن کے تصادم اور تماس کے باعث اسلامی بادیان قابل لحاظ حد تک متاثر ہوئی ہین، اور حالات سے مجبور ہو کر وہ آج کل قومیت کے لئے ایسے قوانین وضع کر رہی ہین جو ولادت اور سکونت پر مبنی ہین، لیکن یہ اصل مین ہنگامی زندگی کی سیاسی ضرورتین اور اقتضاآت ہین جن کو میرے اس دعوی سے کوئی تضاد نہین ہے، کہ اسلامی تصور کے متعلق قومیت کے معنی ایمان مین اشتراک کے ہین ولادت یا رنگ زبان یا وطن مین اشتراک کے نہین،

اس لئے یہ دیکھ کر حیرت ہونی چاہئے، کہ انگلستان مین ایک عیسائی ملک ہونے کے باوجود بعض عیسائی اجنبی ہون لیکن مسلمان شہری مانے جاتے ہون، اس کے برخلاف افغانستان مین اجنبی

افغانی حقوق شہری سے بہرہ ور ہندوستانی مل سکین (اگر مسلمان افغانستان مین اسلامی قانون قومیت نافذ ہو)

اسی لئے یہ بات قدرتی ہے کہ مسلمان فقہا نے اس امر کے متعلق لمبی اور تفصیلی بحث کی ہے، کہ ہم وطن اجنبیون سے کیا برتاؤ کیا جائے یعنی ان ہم وطنون سے جو حکمران جماعت سے ایمان و عقائد کے اختیاری مسئلہ مین اشتراک رکھنا پسند نہ کرین، اسی طرح کے "ہم وطن اجنبیون" یا ان لوگون کے جن کی حفاظت کا اسلامی حکومت ذمہ لیتی ہے (یعنی ذمی یا اہل ذمہ) ساتھ برتاؤ کرنے کے متعلق جو قواعد پائے جاتے ہین، ان کا تفصیلی ذکر اس مختصر مضمون مین ممکن نہین، اسلامی مملکت کی سرزمین مین جو لوگ رہتے ہین، وہ عام طور پر حسب ذیل اقسام کے ہوتے ہین :-

- ساکنین
  - مسلمان
    - اجنبی
    - ہم وطن
      - جب فریقین مقدمہ ایک ہی مذہب فقہ کے پیرو ہون
      - جب فریقین الگ الگ امام کے پیرو ہون
  - غیر مسلم
    - اجنبی
      - معاہد
      - حربی
    - ہم وطن
      - اہل کتاب
      - مشابہ اہل کتاب
      - غیر اہل کتاب
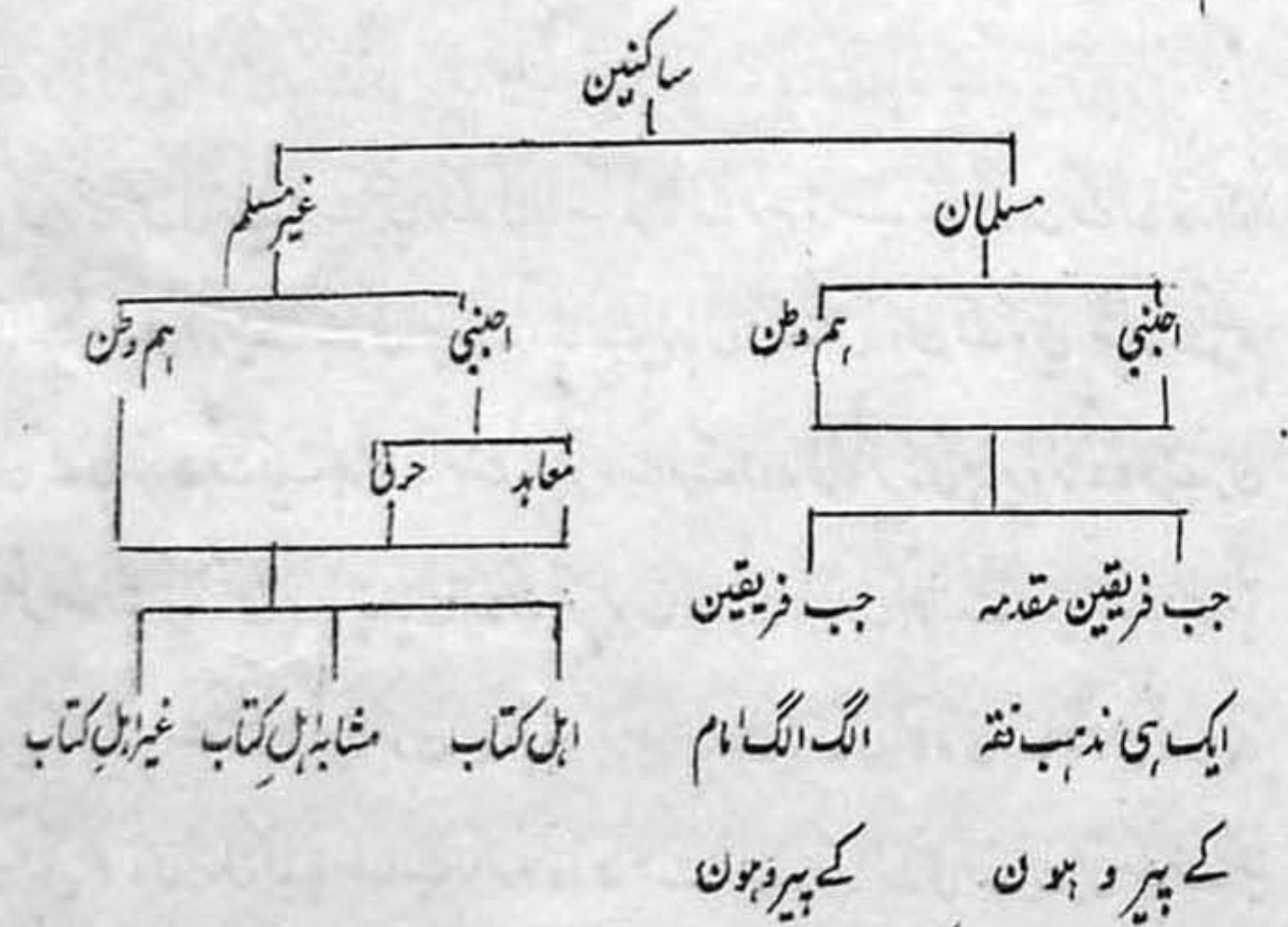
مسلمانون مین باہم مکمل مساوات پائی جاتی ہے، اور اسلامی قانون مین کوئی طبقہ یا درجہ بندی تسلیم نہین کی جاتی ہے، جملہ مسلمان ایک ہی امت یعنی قوم سے تعلق رکھتے ہین، چاہے وہ جہان بھی ہون اور ایک ہی قانون کے وہ تابع ہوتے ہین جیسا کہ امام ابو یوسف نے صراحت سے بیان کیا ہے، کہ المسلم ملتزم احکام الاسلام حیث ما کان (بحوالہ مبسوط سرخسی ج ۹) لیکن قرآن نے یہ قرار دیا ہے کہ اسلامی مملکت ان مسلمانون کی حفاظت کی ذمہ دار نہین ہے، جو غیر مسلم علاقہ مین رہنا

پسند کرین، اور اسلامی عدالتین بھی مسلمانون کے افعال بلکہ مصائب پر جو بیرونی ممالک مین پیش آئین کوئی اختیارِ سماعت نہ تو جتاتی مین، اور نہ عمل مین لاتی ہین،

اس بچہ کی اُمّت یا قومیت کا فیصلہ کرنے مین کچھ دشواری پیدا ہوتی ہے، جو لقیط یعنی کہین پڑا ہوا مل جائے، یا اس کا باپ تو مسلمان ہو لیکن ماں غیر مسلمہ ہو یا باپ ذمی ہو اور ماں اجنبی یا حربیہ ہو اس سلسلہ مین اسلامی قانون نے یہ عام قاعدہ مقرر کیا ہے، کہ بچہ اس امت کا سمجھا جائے گا، جو اس کے حق مین مفید تر ہو، چنانچہ جو لقیط اسلامی سرزمین مین پایا جائے، اور جس بچہ کا باپ مسلمان ہو وہ خود بھی مسلمان سمجھا جائے گا، اور جس بچہ کے والدین مین سے ایک کا تعلق اہلِ ذمہ سے ہو، اور دوسرے کا اجنبی غیر مسلمون سے، تو بچہ ذمی یعنی اسلامی مملکت کی غیر مسلم رعیت قرار دیا جائے گا، لیکن یاد رہے کہ یہ محض بادی النظری قیاس ہوگا، جس کی تردید ثبوت پیش کرکے کی جاسکے گی، اسلام ہر مذہب کے لوگون کے ساتھ رواداری برتتا ہے، اور ان کو رعیت بننے کی اجازت دیتا ہے، زبان، رنگ، نسل، دین کے کوئی امتیازات تسلیم نہین کئے جاتے، صرف ایک چھوٹا سا استثنا رہے، اسلام کے روحانی مرکز یعنی جزیرہ نمائے عرب مین مستقل سکونت کے متعلق کچھ پابندیان ہین، کہ غیر مسلمون کو وہان بسنے کی اجازت نہ دیجائے، اس سیاسی و سماجی ضرورت سے قطع نظر، عیسائیون، یہودیون، مجوسیون، بت پرستون، کالون، سانولون گورون سب ہی کو بطور ذمی قبول کیا جاسکتا ہے، اگر وہ اطاعت شعار رہ کر اسلامی سرزمین مین سکونت اختیار کرنا چاہین، چنانچہ امام ابو یوسف نے اپنی کتاب الخراج (ص ۳) مین صراحت سے بیان کیا ہو کہ مشرک، بت پرست، اہلِ کتاب، آتش پرست، سنگ پرست اور دیگر تمام اقسام کے غیر مسلمون کو رعیت اور ذمی بنایا جاسکتا ہے،

غیر مسلم رعایا اور غیر مسلم اجانب مین بہر حال کچھ فرق پایا جاتا ہے، آخر الذکر کو اسلامی سرزمین مین آنے کے لئے، اولاً امان یعنی اجازت نامہ حاصل کرنا ہوتا ہے، یہ اجازت حکومت ہی نہین، بلکہ ہر مسلم

شہری حتی کہ غلام اور عورتین بھی عطا کرسکتی ہین، اس طرح کا اجنبی غیر مسلم اسلامی سرزمین مین اپنے قیام کے دوران مین امان نامے کے شرائط کے تابع ہوگا، لیکن اس سے قطع نظر وہ غیر مسلم رعایا ہی کے برابر حقوق و فرائض کا حامل ہوگا، ابتداءً امان کا حق ہر مسلم فرد کو حاصل سمجھا جاتا تھا، لیکن بعد کے فقہار نے یہ رائے ظاہر کی ہے، کہ اگر حکومت چاہے تو صراحت سے اعلان کرکے اس عام حق کو عارضی طور پر معطل اور ایسی شرطین عائد کرسکتی ہے، جن کی تعمیل عام افراد کے لئے ضروری ہوگی،

دورِ خلافت کی ابتدائی صدیون مین غیر مسلم اجنبی کا قیام اسلامی سرزمین مین زیادہ سے زیادہ ایک سال کے لئے ہوسکتا تھا، اور اگر وہ اس سے زیادہ عرصہ ٹھہرنا چاہتا، تو یہ تصور کرلیا جاتا کہ وہ توطن کا ارادہ رکھتا ہے، اور اس پر وہی محاصل اور واجبات عائد کردیئے جاتے، جو غیر مسلم رعیت کے لئے مقرر ہین، لیکن حالیہ زمانون مین غیر ملکی ساکنین (جن کو اصطلاح مین مستامن کہا جاتا ہے) سیاسی وجوہ سے یہ چاہنے لگین کہ طویل قیام کے باوجود اپنی سیاسی قومیت برقرار رکھین، اس کے معنی مراعاتِ خصوصی کے دور مین ترکی مین خاص کر امتیازی حیثیت رکھنے کے ہوتے تھے، چنانچہ اب سے کوئی چارسو سال قبل ۱۵۳۵ء مین ترکی اور فرانس مین یہ معاہدہ ہوا تھا، کہ ایک سال کے بجائے دس سال سے زیادہ قیام پر غیر مسلم اجنبی کے متعلق یہ تصور کیا جائے گا، کہ وہ رعیت بننا چاہتا ہے، مراعاتِ خصوصی چونکہ ترکی کے سر جبراً تھوپے گئے تھے، اس لئے مسلمان فقہار نے کبھی ان کو تسلیم نہین کیا، اور اپنی کتابون مین وہ آج تک بدلے ہوئے حالات کے باوجود یہی لکھتے چلے آرہے ہین، کہ ایک سال سے زیادہ کا قیام رعیت بننے کے ارادہ کو ظاہر کرتا ہے،

۲- غیر مسلم رعیت اور غیر مسلم اجانب کی حیثیت قانونی

اسلامی مملکت کی غیر مسلم رعیت ذمی کہلاتی ہے، ذمی بننا مسلمان فقہار کی رائے کے مطابق ایک باضابطہ دو فریقی معاہدہ ہوتا ہے، جو رعیت بننے کے متمنی غیر مسلم شخص اور اسلامی جماعت کے

مابین عمل مین آتا ہے، اگر ذمی وفاداری سے رہے، اور محصول حفاظت جسے جزیہ کہتے ہین، ادا کرتا رہے تو اُسے سکونت کی آزادی، ضمیر کی آزادی، اور جان و مال و آبرو کی حفاظت حاصل ہوتی ہے،

ذمی بننے کا معاہدہ حسب ذیل صورتون مین ختم ہو جاتا ہے:-

(۱) بغاوت،

(۲) جزیہ کے وجوب سے انکار،

(۳) حکومت کی اطاعت سے انکار،

(۴) کسی آزاد مسلمان عورت سے زنا،

(۵) اسلامی مملکت کے کسی دشمن کو پناہ دینا، اور اس کے لئے جاسوسی کرنا،

(۶) خدا اور رسول اور خدا کی کتابون کی بے حرمتی کرنا،

(۷) کسی مسلمان کو مرتد بنانا،

(۸) لوٹ مار اور ڈاکہ زنی مین مشغول ہونا،

(۹) اسلام جن چیزون کو اپنا امتیاز سمجھتا ہے، اس کی کھلے بندون خلاف ورزی کرنا،

(۱۰) سودی کاروبار مین مشغول ہونا،

اور اسی طرح کی چیزین،

یہ امر البتہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ ان مین سے بعض امور کی حد تک مختلف مذاہب فقہ مین اتفاق نہین ہے، جن فقہا کو اعلیٰ سرکاری خدمات کے سلسلہ مین عملی تجربہ حاصل کرنے کا موقع ملا تھا، وہ بہ نسبت ان علما کے جو درس گاہون کے تخلیہ مین نظری خیال آرائی کرتے تھے، عام طور پر نرم تر رائے رکھتے ہین،

کسی مسلمان شہری کو سزا مین بھی اسلامی سرزمین سے جلا وطن نہین کیا جا سکتا، البتہ نظربندی اور

شہر بدری اس کے معارض نہین لیکن کسی غیر مسلم شہری کو نہ صرف سزائے موت اور دوسری چھوٹی سزائین دیجا سکتی ہین، بلکہ اسے اسلامی سرزمین سے ملک بدر بھی کیا جا سکتا ہے اگر وہ اپنی مفسدانہ سرگرمیون کے باعث ایک ناپسندیدہ شخص بن گیا ہو،

قرآن و حدیث کے احکام اور عہد نبوی سے لے کر اب تک ہر زمانہ مین متواتر و غیر منقطع رواج کے باعث اسلامی سرزمین مین غیر مسلمون کو عدالتی خود مختاری حاصل رہی ہے، عیسائی یہودی اور دیگر ادیان کے پیروؤن کی الگ الگ عدالتین قائم کی جاتی ہین، جہان انہی کے قوانین کا نفاذ انہی کے ہم مذہب حکام عدالت کے ذریعہ سے عمل مین آتا ہے، البتہ یہ عدالتین صرف اسی صورت مین کام دے سکتی ہین، جب فریقین کا دین ایک ہی ہو، غیر مسلمون کو اس کی ممانعت نہین، کہ اپنا مقدمہ اگر خود چاہین تو اپنی خوشی سے اپنی ملی عدالت کے ذریعہ اسلامی عدالت مین پیش کر سکتے ہین، اگر فریقین مقدمہ الگ الگ دین کے پیرو ہون مثلاً ایک یہودی اور دوسرا عیسائی تو بھی غالباً اسلامی عدالت ہی مین رجوع ہونا پڑتا، اور اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ عمل مین آتا لیکن اس بارے مین باوجود تلاش کے مجھے ابھی تک کوئی تصریح اور تفصیل نہین مل سکی، اگر فریقین ایک ہی دین کے پیرو ہوتے، اور اسلامی عدالت مین آتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل قتل اور زنا جیسے مقدمات مین بھی یہی نظر آتا ہے، کہ فریقین ہی کے شخصی قانون کے متعلق فیصلہ صادر کیا جائے جیسا کہ بخاری اور ابن ہشام وغیرہ نے ذکر کیا ہے،

مجھے یہان اختلافات کی تفصیل مین جانے کی ضرورت نہین، جو غیر مسلم رعیت اور غیر مسلم اجانب کی شخصی حیثیت کے متعلق تصادم قوانین کے مختلف پہلوؤن مین پائے جاتے ہین، البتہ چند نمایان خصوصیتین پیش کی جاتی ہین،

مسلمان فقہا یہ رائے رکھتے ہین، کہ "اختلاف دین اور اختلاف دار" وراثت کے مانع ہون گے، چنانچہ کوئی مسلمان مرد کسی عیسائی یا یہودی عورت سے نکاح تو جائز طور پر کر سکتا ہے لیکن نہ تو ایسے

شوہر کی وفات پر بیوی کو، اور نہ بیوی کی وفات پر شوہر کو ترکہ مین سے وراثت مین کوئی حصہ ملے گا، بلکہ پورا ترکہ متوفی فرد کے ہم دین قریبی رشتہ دارون (باپ، مان، بھائی، وغیرہ) مین تقسیم کیا جائے گا، اور دوسرے دین کے پیرو رشتہ دارون کو کوئی حصہ نہین ملے گا، البتہ مرنے والا شخص اپنے رفیق زندگی یا دیگر رشتہ دارون کے لئے جو دوسرے دین کے پیرو ہون، وصیت ضرور کر سکتا ہے، وصیت ان لوگون کے لئے بھی کی جا سکتی ہے جو غیر ملک کی سکونت اور غیر ملک کی رعیت ہونے کے باعث وراثت سے محروم ہو رہے ہون، البتہ یہ وصیت جائز اغراض کے لئے ہونی چاہئے، چنانچہ ہمارے فقہاء بیان کرتے ہین کہ مثلاً عیسائی بیوی کی یادگار مین عیسائیت کی تبلیغ کے لئے گرجا وغیرہ بنانے کے لئے مسلمان شوہر وصیت نہین کر سکتا، وصیت اور وقف کے لئے غرض کا جائز ہونا ضروری ہوگا، صلہ رحمی، پرورش، خیرات وغیرہ جائز اغراض سمجھے جائین گے،

محصول بچت یعنی زکوٰۃ صرف مسلمانون پر لگائی جاتی ہے لیکن اس سے استفادہ صرف مسلمان نہین کرتے، چنانچہ علاوہ تعمیراتِ عامہ سڑکون، سراؤن وغیرہ کے جو مثلاً ابن السبیل اور فی سبیل اللہ کی مدون کے تحت تعمیر کئے جائین گے، غیر مسلم استفادہ کر سکتے ہین، خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مستند اور واجب التعمیل تعبیر کے باعث قرآن مجید مین مصارفِ زکوٰۃ کی مدون کے سلسلہ مین جو لفظ مساکین آیا ہے، اس مین غیر مسلم بھی شامل ہوتے ہین (مسلمانون کے لئے فقراء کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور لفظ مسکین کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ وہ ایک ایسا اجنبی ہوتا ہے، جو ہمارے علاقہ مین سکونت رکھتا ہے، اسلامی سرزمین مین صرف غیر مسلم ہی مسکین ہو سکتا ہے) اور حضرت عمرؓ نے اسی تعبیر کے تحت یہودیون اور عیسائیون کے لئے اسلامی خزانہ سے روزینے مقرر فرمائے، جیسا کہ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج مین تحریر فرمایا ہے، جو محصول غیر مسلمون سے ان کی نفقات وصول کرین، وہ متعلقہ ملت ہی کے افراد کے لئے مخصوص ہوتا ہے یہان شاید یہ بھی بیان کر دینا بے محل نہ ہوگا، کہ اسلامی سرزمین مین ہر شخص کی کھانے پینے اور رہنے سہنے کی ناگزیر ضرورتین پوری کرنا

ل۵ مصارف ابن السبیل اور فی سبیل اللہ کی یہ تشریح بغیر کسی سند کے قابل قبول نہین،

حکومت کے فرائض مین داخل سمجھا گیا ہے، اس غرض کے لئے مسلمانون سے عام طور پر بچت کا ڈھائی فی صدی سالانہ وصول کیا جاتا ہے لیکن اگر اس کی آمدنی اور دیگر سرکاری آمدنی کافی ثابت نہ ہون تو (جیسا کہ ابن حزم نے پوری تفصیل کے ساتھ اور مدلل لکھا ہے) اسلامی حکومت کو حق ہوتا ہے کہ مالدارون سے زکوٰۃ کے علاوہ زائد محصول بھی وصول کر سکتی ہے، جس کی حد امام ابن حزم نے یہ بتائی ہے کہ سد رمق چھوڑ کر باقی ہر چیز جبراً ٹیکس مین وصول کر لی جا سکتی ہے، تاکہ ضرورت پر ملک کے بھوکون اور ننگون کی ضرورتین پوری کی جائین، البتہ یہ اختیاری اور ضرورت کی چیز ہے، لازمی اور ہمیشہ عادت کی نہین،

انصاف کا بلند تصور حنفی فقہاء کو اس رائے پر آمادہ کرنے کا باعث بنا، کہ اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کو عمداً قتل کر دے تو قاتل کو سزائے موت دی جائے گی، (اگرچہ بعض دیگر ائمہ اس سے اختلاف کرتے ہین، لیکن حنفیون کے ہان اپنی تائید مین ایک صریح حدیث نبوی موجود ہے، اور یہ بھی یاد رہے کہ دنیائے اسلام مین حنفیون کی تعداد اسی نوّے فی صدی سے کم نہین سمجھی جا سکتی ہے)

حکومت کے عہدون پر غیر مسلمون کے تقرر کی ممانعت مین حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے کا ایک واقعہ مخالفون کے لئے ایک بڑا بہانہ بنا رہا ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک عامل گورنر کو حکم دیا تھا، کہ اپنے کاتب (پرائیوٹ سکریٹری) کو فوراً اس کی خدمت سے الگ کر دے، تحقیق پر واقعہ یون معلوم ہوا ہے کہ اس کاتب کی جو عیسائی تھا، عربی بہت کمزور تھی، اور وہ سرکاری مراسلون مین صرفی و نحوی غلطیان کرتا تھا، اور ظاہر ہے کہ اس ذمہ دار خدمت کے لئے زیادہ قابل اشخاص کی ضرورت تھی، اگر حضرت عمرؓ نے محض غیر مسلم ہونے کی وجہ سے بھی علیحدہ کیا ہوتا، تو بھی آپ حق بجانب ہوتے، کیونکہ اپنے زمانہ مین جب کہ اسلامی فتوحات کو شروع ہوئے چند سال سے زیادہ نہین گذرے تھے، اہم ذمہ دار عہدون پر غیر مسلمون کا تقرر خاص کر ایسے علاقے مین جہان مسلمانون کی آبادی بے حد قلیل تھی، یقیناً ہزارون خرابیون کا باعث ہوتی، (اور آج چودھوین صدی ہجری مین بھی مغرب

کی روشن خیالی سے، روشن خیال حکومتیں بھی اپنی نوآبادیوں میں اہم عہدوں کے متعلق جس قسم کی اجارہ داری برتتی ہیں، اس کی موجودگی میں ہمیں کسی معذرت یا ندامت کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا ایک واقعہ سے قطع نظر حضرت عمرؓ کے زمانہ کا کوئی اور واقعہ ہم کو نہیں ملتا جس میں غیر مسلموں کو سرکاری ملازمت سے الگ رکھا گیا ہو، بلکہ اس کے برخلاف قریب قریب پورا محکمۂ مالگذاری اور بعض دوسرے محکمے غیر مسلموں ہی کا اجارہ رہے، اور ہزاروں عیسائی، یہودی اور پارسی وغیرہ انتہائی اعتماد اور ذمہ داری کے عہدوں پر خود حضرت عمرؓ اور بعد کے زمانوں میں مامور رہے، حتی کہ دفتری زبان بھی فاتح عربوں نے عربی کی جگہ مالگذاری وغیرہ کے محکموں میں فارسی، یونانی وغیرہ ہی رہنے دی، یہ بھی حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ کا واقعہ ہے، کہ مسلمانوں نے ایک یہودی ... کی کچھ زمین جبراً خرید کر وہاں مسجد تعمیر کی، تو اس کی اطلاع ملنے اور شکایت موصول ہونے پر حضرت عمرؓ نے فوراً وہ مسجد تڑوا دی اور زمین یہودی کو واپس دلوا دی، چنانچہ اس جگہ "بیت الیہودی" آج تک پایا جاتا ہے، جیسا کہ لبنان کے ایک سابق وزیر عدالت شکری کرداہی نے جو ایک عیسائی ہے بیان کیا ہے،

اگرچہ غیر مسلم رعایا کو حجاز میں مستقل سکونت اختیار کرنے کی ممانعت کی گئی ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، لیکن خود حضرت عمرؓ کے زمانہ میں غیر مسلموں کو مکہ اور مدینہ میں مسجدوں کے اندر خلیفہ کے پاس خطبہ کے وقت شکایتیں پیش کرنے کی مثالیں ملتی ہیں، اور اس میں کوئی ممانعت اور رکاوٹ عائد نہیں کیجا سکتی تھی، اس قسم کے متعدد واقعے اور ان کا فوری تسویہ تاریخوں نے محفوظ رکھا ہے،

اسلامی اصول یہ ہے کہ لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ یعنی کسی کو اس کی مرضی کے خلاف دوسرے دین کو قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اور جس طرح کا حکم یمن میں اسلام سے پہلے ایک مرتبہ نجرانی عیسائی حکمرانوں نے دیا تھا، کہ کوئی یہودی عورت کسی عیسائی کے سوا دوسرے سے خاص کر یہودیوں سے نکاح نہیں کر سکتی تاکہ یہودیت ایک ہی نسل میں ناپید ہو جائے، جیسا کہ مشہور فرانسیسی مورخ دے دررشے

(De Vergers) نے بیان کیا ہے، اس طرح کا کوئی حکم اسلامی دور میں ناممکن ہے، قرآن و حدیث میں غیر مسلم رعایا پر سختیوں کی اتنی شدید ممانعت ہے، کہ آج بھی روشن خیال سے روشن خیال مغربی ملکوں کو وہاں تک پہنچنا ممکن نہیں ہو سکتا ہے، ایک بہت ہی چھوٹی چیز کو بطور نمونہ بیان کر کے ہم اس ذکر کو ختم کریں گے، وہ یہ کہ غیر مسلموں کے قبور تک کو اسلامی حکومت میں چھیڑا نہیں جا سکتا، اور اس کو ذمیوں کے حقوق کی خلاف ورزی شمار کیا جائے گا، جیسا کہ ہر فقہ کی کتاب میں مذکور ہے، (مسجد نبویؐ کی اولین تعمیر کے وقت جس نبش قبور کا ذکر ملتا ہے، وہ ذمیوں کے متعلق نہیں ہے)

۲- قوانین میں باہم تصادم

۱- اسلامی اور غیر اسلامی قوانین میں تصادم

اگر فریقین مقدمہ میں سے ایک غیر مسلم اور دوسرا مسلمان ہو، اور بنائے دعویٰ اسلامی سرزمین ہی میں پیدا ہوئی ہو، تو مقدمہ اسلامی عدالت میں پیش ہوگا، اور عام طور پر اسلامی قانون کے مطابق ہی فیصلہ کیا جائے گا، اس سلسلہ میں دیوانی مقدموں کی حد تک کچھ زیادہ دشواری نہیں، لیکن فوجداری مقدموں میں چند استثناء اور شرائط پائے جاتے ہیں، جو زیادہ تر غیر مسلم افراد کی سہولت کے لئے ہیں، مثلاً چند افعال، شراب نوشی، محرم عورتوں سے نکاح، اور اسی طرح کے امور کا ارتکاب اگر غیر مسلم کریں تو کوئی جرم نہیں سمجھا جاتا، دوسرے قتل انسان کے سلسلے میں اگرچہ بعض ائمہ کی یہ رائے ہے، کہ مسلمان قاتل سے جب مقتول غیر مسلم ہو، قصاص نہیں لیا جائے گا، بلکہ اسے صرف خون بہا ادا کرنا ہوگا، لیکن حنفی مذہب میں مسلمان اور غیر مسلم رعیت میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا، ایک حدیث نبوی بھی اس رائے کی تائید میں ہے، لیکن حنفیوں کے نزدیک بھی اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم مستامن یعنی امن لے کر آنے والے اجنبی کو قتل کر دے، تو مسلمان سے قصاص نہیں لیا جائے گا، مگر حنفیوں میں بھی اس پر پورا اتفاق نہیں ہے، اور ان کے ایک ممتاز فرد یعنی امام محمد شیبانی یہ رائے رکھتے ہیں، کہ غیر مسلم مستامن جب تک امان اور اجازت لے کر اسلامی سرزمین میں مقیم رہے، اس وقت تک وہ حقوق اور

واجبات مین ذمیون کے برابر ہوگا" اس اصول کے ماتحت مستامن کے قتل پر بھی مسلمان قاتل سے قصاص لازم آتا ہے ؛

اسلامی اصول قانون اختیار سماعت کے الگ ہونے کے متعلق بہت شدت رکھتا ہے، حتی کہ اگر کوئی مسلمان جو اسلامی مملکت کی رعیت بھی ہو بیرون ملک مین قتل کردیا جائے یا لوٹ لیا جائے، یا کسی اور طریقہ پر اُسے کوئی ناجائز نقصان پہنچایا جائے، اور مجرم غیر مسلم ہو، اور مقام جرم بھی غیر مسلم علاقہ ہو جہان وہ مسلمان جائز اغراض کے لئے وہان کی حکومت کی اجازت اور رضامندی سے گیا ہوا ہو، اور پھر وہ مجرم اسلامی سرزمین کو اجازت لے کر آئے، تو بھی اسلامی سرزمین کی کسی عدالت مین اس کے خلاف اس بارے مین کوئی مقدمہ نہین چل سکتا، کیونکہ فقہاء کا استدلال یہ ہے کہ بنائے نالش کی ابتدا چونکہ ایسے مقام پر ہوئی، جہان اسلامی اختیار سماعت نہین پایا جاتا تھا، اس لئے اسلامی عدالتین اس مقدمہ کی سماعت کی مجاز نہین، جیسا کہ سرخسی نے (مبسوط ۵/۹۵ تا ۱۰/۹۹ مین) لکھا ہے، خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ایک ارشاد وارد ہوا ہے، کہ

اذا هرب الرجل وقد قتل	جو کوئی (ہماری سرزمین مین) قتل یا زنا
أو زنى او سرق إلى العدو ثم	یا چوری کا ارتکاب کرے، اور فرار ہو جائے
أخذ أمانا على نفسه فانه	لیکن پھر اجازت وامان لے کر واپس آئے
يقام عليه ما فر منه واذا	تو اس پر مقدمہ چلا کر اسے اس چیز پر سزا
قتل في ارض العدو او زنى او	دی جائے گی، جس سے بھاگنے کی اس
سرق ثم اخذ امانا لم يقم	نے کوشش کی تھی، لیکن اگر اس نے
عليه شيء مما احدث في	قتل یا زنا یا چوری کا ارتکاب دشمن کے
ارض العدو، (شرح السير	علاقہ مین کیا تھا، اور پھر اجازت لے کر
الكبير جلد ۴ صفحہ عن عطية	(ہمارے ہان) آئے تو اُسے اس جرم کی جوابدہی
ابن قيس الكلابي ان رسول الله	کرنی نہین پڑے گی جس کا ارتکاب اُس نے
صلی اللہ علیہ وسلم قال)	دشمن کی سرزمین مین کیا تھا"

ب۔ دو غیر مسلم قوانین مین تصادم

اگر فریقین مقدمہ دو الگ الگ غیر اسلامی ملتون سے تعلق رکھتے ہون، مثلاً ایک یہودی ہو اور دوسرا عیسائی تو اسلامی عدالت ہٰذا اول مین اس پر توجہ نہین کرتی، کیونکہ مسلمان فقہاء کی رائے کے مطابق جملہ غیر اسلامی ملتین ایک ہی وحدت کی حیثیت رکھتی ہین، امام ابوحنیفہ کے الفاظ مین اهل الشرك كلهم ملة واحدة اور امام محمد شیبانی کے الفاظ مین الكفر ملة واحدة دیکھو کتاب الاصل امام محمد شیبانی کے ۱۴۱ تا ۱۴۲/۲ مخطوطہ کتب خانہ عاطف، استنبول، لیکن گر مختلف الادیان فریقین مقدمہ اس پر باہم متفق نہ ہو سکین کہ ان دونون مین سے کس کی ملی عدالت مین مقدمہ چلایا جائے، تو پھر اسلامی عدالت کو مقدمہ کی سماعت کرکے فیصلہ کرنا ہوگا جیسا کہ مشہور مالکی امام خلیل نے بیان کیا ہے اس بارے مین دیوانی اور فوجداری مقدمون مین کوئی فرق نہین، یہ معلوم نہین کہ مسلمان قاضی کا فیصلہ اس صورت مین کیا ہوگا، جب کہ نزاع مثلاً کسی قرض کے متعلق ہو جس مین سود دینے کا اقرار ہو، یا کسی بیع کے متعلق اور شراب مُہیا کرنے کا اقرار ہو، چونکہ سود اور شراب اسلام نے منع کر دیئے ہین" یہ ضروری نہین، کہ فریقین مقدمہ کے ادیان نے بھی ان کو ممنوع قرار دیا ہو اس لئے پیچیدگی پیدا ہوگی،

ج۔ دو اسلامی مذاہب فقہ مین تصادم

اسلامی مذاہب فقہ متعدد ہین، اگر فریقین مین سے ایک سُنی اور دوسرا شیعہ ہو، بلکہ خود دونون کے سنی ہوتے ہوئے بھی ایک حنفی اور دوسرا شافعی ہو تو متعدد مسائل مین تصادم قوانین وقوع مین آجاتا ہے، اور اس کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے، کہ قاضی کس فریق کے مذہب کے مطابق حکم صادر کرے، عہد نبوی اور ابتدائی خلفاء کے زمانہ مین اس طرح کا تصادم عملاً پایا ہی نہین جا سکتا تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جلد ہی اختلاف رائے کی صورتین فقہاء مین پیش آنے لگین،

صحابہ کے دور میں بھی اور اس کے بعد بھی، لیکن چونکہ اس وقت تک قاضیوں پر اس کی کوئی پابندی نہیں تھی، کہ وہ کسی خاص فقیہ کی رائے کی تقلید کریں، بلکہ قاضی خود اپنی مستقل حیثیت رکھتے تھے، اور اپنے ذاتی اجتہاد کے مطابق فیصلہ کرنے کی پوری آزادی رکھتے تھے، اور اس کا نفاذ بھی کرایا کرتے تھے، اس لئے یہ سوال فقہا کے اختلافِ رائے کے باوجود پیدا نہیں ہوتا تھا، اور یہاں تک ممکن تھا کہ دار الخلافہ کے صدر قاضی کا فیصلہ الگ ہو، اور اسی زمانہ میں یا اس کے بعد کسی ضلع یا تعلقہ کے قاضی کا فیصلہ الگ ہو، لیکن عباسی دور میں اس کا واضح ذکر ملتا ہے، کہ امام ابو یوسف نے جو قاضی القضاۃ تھے، اپنے ماتحت افسران عدالت کو مامور کرتے وقت یہ ضروری قرار دیا تھا، کہ وہ حنفی مذہب کے ہوں، بعد کے زمانوں میں پوری مملکت میں ایک ہی قانون ہونے کی ضرورت تسلیم کرتے، اور باقی رکھتے ہوئے بھی تفرقات کے لئے ایک حل نکالا گیا تھا، چنانچہ یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے، کہ بعض اوقات خلافتِ عباسیہ میں زیدی شیعوں کو بھی قاضی مقرر کیا جاتا رہا، لیکن وہ "مذہب السلطان" یعنی حنفی مذہب کے مطابق فیصلے صادر کرنے کے پابند تھے،

۲- اسلامی مذاہبِ فقہ میں تصادم کا مطلب واضح کرنے کے لئے بعض مثالیں شاید مفید ہوں، فرض کرو کہ ایک شخص مرتا ہے اور اپنے قریبی رشتہ داروں میں ایک بھتیجا اور ایک نواسا چھوڑے تو حنفی قانونِ وراثت کی رو سے پورا ترکہ بھتیجے کو ملے گا، اور نواسا بالکل محروم رہے گا، لیکن اگر شیعہ قانونِ وراثت کے مطابق فیصلہ صادر کیا جائے، تو نتیجہ بالکل الٹا ہوگا، یعنی پوری جائداد نواسے کو ملے گی، اور بھتیجا محروم رہے گا، اور یہ صورت بآسانی ممکن ہے کہ وارث اور مورث الگ الگ مذاہب فقہ کے پیرو ہوں ایسی صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرنے والے کے مذہب کے مطابق فیصلہ کیا جائے، یا وارثوں کے مذہب کے مطابق، یا اگر وارثوں میں بھی اختلافِ مذاہب ہو تو کس وارث کے مذہب کو ترجیح دی جائیگی؟ ظاہر ہے کہ جس ملک میں قاضی اس امر کے پابند ہیں، کہ سرکاری مذہب کے مطابق ہی فیصلہ صادر کریں، (خواہ فریقین مقدمہ کا مذہب کچھ ہی کیوں نہ ہو) تو دشواری نہیں پیدا ہوتی، لیکن اگر حکومت زیادہ روادا

اور فراخ دل ہو، اور ہر فرد رعیت کو اس کا حق دیا گیا ہو کہ اس کے مذہب کے مطابق اس کے حقوق اور واجبات متعین ہوں، خاص کر ان معاملات کے متعلق جنھیں آج کل مسائل شخصی کہا جاتا ہے، یعنی نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ تو واقعی تصادم قوانین پیدا ہو جاتا ہے، مثال کے طور پر سلطان صلاح الدین اعظم کے زمانے میں مصر میں وقت واحد میں چاروں سُنی مذاہب کی عدالتیں اور چار چار قاضی القضاۃ پائے جاتے تھے، یعنی شافعی، حنفی، مالکی اور حنبلی، لیکن اس انتظام سے بھی دشواری حل نہیں ہوتی، فریقین مقدمہ ایک ہی مذہب کے پیرو ہوں، تو یہ انتظام کارآمد ہو سکتا ہے، لیکن اگر ایک فریق مثلاً شافعی اور دوسرا حنفی ہو تو بہت سے مسائل میں تصادم باقی رہتا ہے، قدیم فقہا اس کا شاذ ہی کہیں ذکر کرتے ہیں، بعد کے زمانہ میں البتہ یہ قرار دیا گیا کہ مدعا علیہ اور متوفی ہی کے مذاہب کا لحاظ کرکے فیصلہ صادر کیا جائے گا، حنفی شافعی اور مالکی ملکوں میں یہی چیز مروج ہے، برطانوی ہند میں بھی اسی کو قبول کر لیا گیا ہے، تونس اور شام و مصر میں بھی اسی پر عمل ہے،

ہندوستان اور بعض دوسرے اسلامی ممالک میں اس کے مواقع پیش آتے رہتے ہیں، کہ حکمران اپنا مذہب بدل دیں، اور سُنی سے شیعہ یا شیعہ سے سُنی ہو جائیں، لیکن تا حال میری تلاش اس امر کے متعلق ناکام رہی ہے کہ اس کا پتہ چلایا جائے، کہ مذہب کی اس تبدیلی سے عدل گستری پر کوئی اثر پڑا یا نہیں،

د- تبدیلِ دین کے باعث تصادمِ قوانین

اگر میاں بیوی دونوں ایک ساتھ اسلام قبول کریں تو ان کا سابقہ عقدِ نکاح برقرار رہتا ہے، بشرطیکہ اسلامی قانون کے تحت وہ روا رکھا جا سکتا ہو، لیکن اگر ایسا نہ ہو مثلاً اگر میاں بیوی خویذ دگس پر عمل کرنے والے پارسی ہوں اور بھائی بہن نے یا باپ بیٹی نے آپس میں نکاح کر لیا ہو یا لامذہب لوگوں نے چار سے زیادہ بیویوں سے ایک ساتھ نکاح کر رکھا ہو یا مہر کے بغیر نکاح کیا ہو، یا ملیبار کے نایر، اور نیلگری اور تبت کے باشندے جو

تعدد شوہران پر عامل ہوں، اور میاں بیوی ایک ساتھ اسلام قبول کرلیں، تو ظاہر ہے کہ ان کا نکاح متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، یا بیوی کو فوراً اس کے شوہر سے تفریق کرادی جائے گی، تعدد ازدواج پر عامل شوہر چار بیویاں رکھ کر بقیہ سے بے تعلق ہونے پر مجبور ہوجائے گا، بے مہر نکاح کرنے والی عورت کو مہر کا حق حاصل ہوجائے گا، تعدد شوہران پر عمل کرنے والی عورت کو جملہ شوہروں سے (بجز اپنے منتخبہ ایک کے؟) علیحدگی اختیار کرنا پڑے گی،

اسی طرح اگر صرف شوہر اسلام قبول کرے، اور بیوی نہ کرے، تو معاملہ میں اچھی خاصی پیچیدگی پیدا ہوجاتی ہے، چنانچہ اگر بیوی اہل کتاب سے مثلاً عیسائی یا یہودی ہو تو شوہر کے اسلام لانے اور کتابیہ بیوی کے اپنے دین پر قائم رہنے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور اُن کا سابقہ ازدواج برقرار رہے گا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مغلیہ دور میں ہندوستان میں ہندوؤں کو بھی اہل کتاب تسلیم کرلیا گیا تھا، اور اُن سے مسلمان مرد خاص کر شہزادے اور بادشاہ بڑی کثرت سے شادیاں کرنے لگے تھے، اور اس کا واضح ذکر ملتا ہے کہ ایسی متعدد ہندو بیویاں اپنے مذہب پر رہیں، اور ان کے پوجا پاٹ کے لئے شاہی محلات میں مندر تک تعمیر کئے گئے،

لیکن اگر بیوی کتابیہ نہ ہو تو اس سے خواہش کی جائے گی، کہ مسلمان شوہر کی زوجیت میں رہنے کے لئے تبدیل مذہب کرے، یہ ہوسکتا ہے کہ وہ مسلمان ہونے کے بجائے عیسائی یا یہودی بن جائے، لیکن اگر وہ اسلام لانے اور کتابیہ بننے دونوں سے انکار کرے، تو تفریق کرادی جائیگی،

اگر صرف بیوی اسلام قبول کرے تو شوہر سے مطالبہ کیا جائے گا، کہ تین مہینوں کے اندر وہ بھی اسلام قبول کرلے (اور اس مدت میں تعلقات زناشوئی غالباً برقرار نہیں رکھے جاسکیں گے) اگر شوہر تبدیل دین سے انکار کرے تو تفریق عمل میں آجائے گی،

ظاہر ہے کہ اگر مسلمان شوہر کی کوئی یہودی بیوی مثلاً عیسائیت قبول کرے تو اس کا اثر ازدواج

پر نہیں پڑتا، کیونکہ عیسائیت اور یہودیت دونوں اسلام کے نزدیک یکسان گوارا کئے جاسکتے ہیں،

۴- مسلمان رعایا بیرونی ممالک میں

۱- کسی دوسری اسلامی مملکت میں

قدیم زمانہ میں بظاہر اس کو زیادہ اہمیت حاصل نہ تھی کہ مسلمان کہاں کا رہنے والا ہے، اگر وہ محض اتنا ہی ارادہ کرلیتا، کہ دو ہفتوں تک قیام کرے گا، تو وہ مقامی باشندہ بن جاتا، اور مسلمانوں کو سفر کے دوران میں نماز کے قصر کرنے وغیرہ کی جو رعایتیں ملتی ہیں، ختم ہوجاتیں،

مشہور سیاح ابن جبیر نے البتہ بیان کیا ہے کہ اس نے قاہرہ میں دیکھا کہ سلطان صلاح الدین اعظم نے مغرب (یعنی تونس و مراکش) کے باشندوں کے لئے جو مصر میں مقیم تھے، ایک عریف انہی میں سے مقرر کیا تھا، جو اپنے ہم وطنوں کے مقدموں میں فیصلہ کرتا تھا، ابن جبیر نے اس رعایت پر بڑی تعریف کی ہے، اور میرے علم میں ایک اسلامی ملک کے مسلمانوں کے لئے دوسرے اسلامی ملک میں مراعات خصوصی کی یہ واحد مثال ہے،

موجودہ زمانہ میں البتہ سیاسی قومیت اثر انداز ہوگئی ہے، اس کی بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یورپی مملکتیں یہ گوارا نہیں کرتیں، ان کی مسلمان رعایا کسی اسلامی مملکت میں جائے، تو اسے اب کو اس یورپی ملک کی سیاسی رعیت کے سوا کوئی اور حیثیت دے، اب تو ابن سعود کی سی قدامت پسند اور راسخ العقیدہ حکومت میں بھی قوانین قومیت نافذ ہوگئے ہیں، اور ان مسلمانوں پر نافذ ہوئے ہیں جو سعودی عرب کی رعیت بننا چاہتے ہیں، ایران، ترکی، افغانستان میں تو عرصہ دراز سے سیاسی قومیت کے لئے قواعد پائے جاتے ہیں، البتہ وحدتِ دینی کو اسلام نے جس قدر مستحکم کردیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بدنام ترکی میں بھی اجنبی مسلمانوں کے ساتھ اتنی محبت کا سلوک ہوتا ہے، کہ دیکھنے والے رشک کرتے ہیں، اور یہ بیان میں پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر دے رہا ہوں،

ب۔ مسلمان جو غیر اسلامی ممالک مین ہون پرانے زمانہ مین مسلمانون کو بہت سے ملکون مین خارج
الارضی مراعات خصوصی حاصل رہے ہین، اس سلسلے کا آغاز ان مہاجرین حبشہ سے ہوتا ہے جنھون نے
عہد نبوی مین مکہ سے حبشہ ہجرت کی تھی، اور تقریباً بارہ سال تک نجاشی کے ملک مین مقیم رہے، مراعات
خصوصی مسلمانون کو قدیم چین، ترکستان، ملیبار (جنوب مغربی ہند) اور دوسرے بہت سے ملکون
مین حاصل رہے ہین،

اس موضوع پر مین نے مجلۂ عثمانیہ ۱۹۴۳ئ مین ایک مقالہ لکھا ہے، اس کی تفصیل کو دہرانے
کے بجائے اس کا حوالہ دے دینا کافی معلوم ہوتا ہے، ان مراعات کا منشا اس زمانہ مین زیادہ تر
یہ ہوتا تھا کہ مسلمانون کو نہ صرف عبادت کی آزادی حاصل رہے، بلکہ اُن کے آپس کے معاملات ان
کے اپنے قانون کے مطابق طے ہون، جس کے لئے ان کا حاکم عدالت ان ہی مین سے چنا جاتا تھا،
بعض اوقات تو فریقین ہی نہین، بلکہ صرف ایک فریق کے مسلمان ہونے کے صورت مین بھی مقدمہ
مقامی سرکاری عدالت کی جگہ اسلامی عدالت مین پیش ہوکر اس کا فیصلہ ہوتا تھا، لیکن مسلمانون
کے لئے یہ مراعات حکمرانون کے ذاتی رجحانات کے مطابق گھٹتے بڑھتے رہتے تھے، اگر ایک طرف مسلمانون
کے ساتھ رعایتین ہوتی رہین، تو ناروا سلوک کی مثالین بھی کم نہین، اس سلسلہ مین مورخ مسعودی
نے ایک عجیب دلچسپ واقعہ لکھا ہے، کہ علاقہ خزر مین (جو آج کل انگریزی مین کیسپین کہلاتا ہے)
ایک خاص مقام کے کسی غیر مسلم حکمران نے مسلمانون کو اپنی فوج اور اپنی ذات کے محافظ دستے (باڈی
گارڈ) کے طور پر بھرتی کیا تھا، اور اپنے ملک مین ملی عدالتون کا ایک وسیع نظام قائم کیا تھا، چونکہ
اس کی رعایا مین مختلف ادیان و ملل کے لوگ تھے، اس لئے ملی عدالتین اور ملی حکام بھی مختلف تھے،
ان مین مسلمان بھی تھے، مسعودی نے جو خاص دلچسپ بات لکھی ہے، وہ یہ ہے کہ جب کبھی دوسرے ملی
حکام عدالت کو کسی مشکل مسئلہ سے سابقہ پڑتا جس کا حل ان کے پاس نہ ہوتا، تو وہ اسلامی عدالت سے

رجوع کرتے، اور اسلامی قانون کا اس بارے مین جو فیصلہ ہوتا، اس کو قبول اور نافذ کرتے، (دیکھو مروج
الذہب جلد ۲ ص ۱۰ تا ۱۲، طبع یورپ) میرے خیال مین اس ملک کے بین الملل قانونی تصادمات ایسے
پیچیدہ مسائل ہون گے، جن کو ناقابل حل سمجھ کر مسلمان حکام عدالت سے استصواب کیا جاتا ہوگا،
اور ان کی ناطرفداری اور علمیت کے باعث ان پر اعتماد کیا جاتا ہوگا،

خاتمہ مذکورۂ بالا مشتے نمونہ از خروارے سے معلوم ہو جائے گا، کہ تصادم قوانین کے متعلق مسلمان
فقہا کا خیال اور عمل ایک ایسا میدان ہے جس مین ابھی تک کسی نے قدم نہین رکھا ہے، اور اس
مین تحقیقات کی بڑی گنجایش ہے، اور صبر و تحمل سے محنت اور تلاش کرنے والون کے لئے اس مین
بڑی دلچسپ دریافتون کی امید کی جاسکتی ہے،

آخر مین اس تذکرے پر اس مضمون کو ختم کرتا ہون کہ علامہ ابن القیم نے "احکام اہل الذمہ" کے
نام سے ایک ضخیم اور دلچسپ کتاب لکھی تھی، اس کی پہلی جلد جو چھ سو صفحون سے زیادہ پر مشتمل ہے،
حیدرآباد مین دستیاب ہوئی ہے، معلوم نہین کتنی اور جلدین تھین، کتاب خانہ ہائے عالم کی جتنی فہرستین
دستیاب ہوتی ہین، ان مین سے کسی مین اس کا ذکر نہین ملا ہے حتی کہ ابن القیم کی سوانح عمریان بھی
اس تالیف کے ذکر سے ساکت نظر آتی ہین، لیکن انداز اور اسلوب مجھے بالکل ابن القیم ہی کا سا
نظر آتا ہے، اس مین ہمارے موضوع پر کافی مواد موجود ہے، کاش مکمل کتاب دستیاب ہو جائے،
اگر ناظرین مین سے کسی کو اس کے متعلق کچھ پتہ چلے تو اس کے سننے کا اشتیاق یقیناً مجھے بھی رہے گا،
اور دوسرے اہل علم کو بھی،

عہد تیموریہ سے پہلے کے صوفیہ کرام

اور

ان کی فارسی تصانیف

از

سید صباح الدین عبدالرحمٰن رفیق دارالمصنفین

(۸)

حضرت شیخ فخرالدین عراقی قدس سرہٗ

پورا نام شیخ فخرالدین ابراہیم ہے، تاریخ گزیدہ[1] میں سلسلۂ نسب یہ ہے: فخرالدین ابراہیم بن بزرجمہر بن عبدالغفار الجوالقی[2]، مگر تذکرۂ دولت شاہ[3]، مراۃ الخیال[4]، سیرالعارفین[5]، مخزن الغرائب اور برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات[6] کی فہرست میں ان کے والد بزرگوار کا اسم گرامی شہریار مرقوم ہے،

سیرالعارفین کے مولف کا بیان ہے کہ

شیخ فخرالدین محمد شہریار بہاءالدین زکریا کی بہن کے بیٹے یعنی بھانجے تھے،[7]

مگر بعض تذکروں میں ان کو شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کا بھانجہ بتایا جاتا ہے[8] ہمدان

---

[1] تاریخ گزیدہ ص [2] تذکرہ دولت شاہ ص ۲۱۵ [3] مراۃ الخیال ص ۶۴ [4] سیرالعارفین جلد اول اردو ترجمہ ص ۲۲ [5] برٹش میوزیم فارسی مخطوطات ص ۵۹۴ [6] سیرالعارفین اردو ترجمہ ص ۲۲ [7] مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دارالمصنفین۔

کے نواح میں قریہ کمجان (یا کونجان) میں پیدا ہوئے[1]، صغر سنی میں کلام پاک حفظ کیا، ہمدان کے لوگ ان کی خوش گلوئی پر شیفتہ تھے،[2]

سترہ سال کی عمر میں ہمدان کے مدرسہ سے معقولات و منقولات پڑھکر فارغ ہوگئے، ایک روایت یہ ہے کہ وہ ہمدان سے بغداد آئے، اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں رہ کر روحانی تعلیم پائی، اور اُن سے شرف بیعت حاصل کیا، اُن کے پاس رہ کر برسوں عبادت و ریاضت کرتے رہے، شیخ شہاب الدین سہروردی نے اسی مدت میں ان کو عراقی کا تخلص عطا فرمایا، اور ہندوستان جانے کا حکم دیا، یہاں پہونچکر حضرت شیخ بہاءالدین زکریا کی خدمت میں ملتان آئے، اور اُن کے فیضِ صحبت میں روحانی اور باطنی دولت سے مالامال ہوئے، ایک دوسری روایت ہے کہ تعلیم سے فارغ ہوکر ہمدان کے مدرسہ میں درس دے رہے تھے، کہ قلندروں کی ایک جماعت پہونچی، اور مندرجۂ ذیل غزل پڑھنے لگی،

مارخت زمسجد بخرابات کشیدیم	خط بر ورق زہد کرامات کشیدیم
در کوے مغان درصفِ عشاق نشستیم	جام از کف رندان خرابات کشیدیم
از زہد و مقامات گذشتیم کہ بسیار	کاس تعب از زہد و مقامات کشیدیم

ان اشعار کو سُن کر شیخ فخرالدین ابراہیم بے تاب ہوگئے، اوران پر ایک وجد طاری ہوگیا، قلندروں میں سے ایک قلندر اپنے حسن و جمال میں بے نظیر تھا، اس کے حسن فانی کو دیکھکر ان کے دل میں عشق حقیقی کی آگ بھڑک اٹھی، کپڑے پھاڑ ڈالے اور عمامہ سر سے اتار پھینکا، اور اسی وقت فرمایا،

---

[1] میخانۂ عبدالنبی ص ۲۸ مرتبہ:- جناب محمد شفیع صاحب ایم اے،
[2] نفحات الانس قلمی نسخۂ دارالمصنفین ایک روایت ہے کہ نو مہینے میں پورا کلام پاک حفظ کیا، اور اس وقت ان کی عمر پانچ سال نو مہینے کی تھی،

چہ خوش باشد کہ دلدارم تو باشی   ندیم و مونس و یارم تو باشی

اور پھر ان قلندرون کے ساتھ ہمدان سے چل کھڑے ہوئے اور عراق و عرب و عجم کی سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان پہنچے، جب ملتان آئے تو قلندرون کے ساتھ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی خانقاہ مین قیام کیا، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی نظر اُن پر پڑی تو اُن کو صورت آشنا پایا، اور اپنے مقرب خاص شیخ عماد الدین سے فرمایا:-

"درین جوان استعداد تمام یافتم او را این جا می باید بودن"

شیخ فخر الدین عراقی نے بھی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی طرف کشش محسوس کی، اور اپنے ساتھیون سے کہا کہ

"ہمثال مقناطیس کہ آہن را کشد، شیخ مرا جذب می کند و مقید خواہد کرد از ین جا زود تر می باید رفت"

چنانچہ ملتان سے دہلی چلے آئے، اور دہلی سے سومنات کی طرف جارہے تھے، کہ راستہ مین سخت آندھی آئی۔ آندھی مین قلندر ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئے، شیخ فخر الدین عراقی ساتھیون سے چھوٹ کر ادھر اودھر پریشان خاطر پھرتے رہے، بالآخر ملتان کی طرف مراجعت کرنے کا تہیہ کیا، وہان پہنچے، تو شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھتے ہی فرمایا،

"عراقی! از ما بگریختی!"

شیخ فخر الدین نے جواب مین کہا،

از تو نگریزد دل من یک زمان   کالبدرا کے بود از جان گزیر

دایۂ لطفت مرا در بر گرفت   داد بیش از مادرم صد گونہ شیر[1]

شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ ان کو اپنی خلوت مین لے گئے، جہان وہ دس روز تک چلہ

[1] میخانہ عبد النبی ص ۳۲،

مین بیٹھے، گیارھوین روز ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی، وہ روتے تھے، اور یہ غزل پڑھتے تھے،

نخستین بادہ کاندر جام کردند   ز چشم مست ساقی[1] وام کردند

چو بیخود خواستند اہل طرب را   شراب بیخودی در کام کردند

برای صید مرغ جان عاشق   ز زلف فتنہ جویان[2] دام کردند

بہ عالم ہر کجا رنج و بلا بود[3]   بہم بردند و عشقش نام کردند

چو خود کردند راز خویشتن[4] فاش   عراقی را چرا بدنام کردند[5]

شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے مریدون نے چلہ مین شیخ فخر الدین عراقی کو نغمہ سرائی کرتے دیکھا، تو مرشد کو اطلاع دی، کہ ان چیزون کی تو ممانعت ہے، پھر شیخ فخر الدین عراقی اس کے کیسے مرتکب ہو رہے ہین، مرشد نے فرمایا کہ

"شما را ازین چیزہا منع است او را منع نیست[6]"

اس کے کچھ دنون کے بعد شیخ عماد الدین شہر نکلے، تو ایک خرابات سے گذر رہے تھے، کہ رندون کو

[1] مخزن الغرائب، خوبان [2] مخزن الغرائب، ز زلف قید خوبان دام کردند [3] مخزن الغرائب رنج و بلائیت [4] مخزن الغرائب، بتر [5] یہ پوری غزل تذکرہ دولت شاہ (ص ۲۰۷) سے نقل کی گئی ہے، دولت شاہ اور مخزن الغرائب کے مؤلف کا بیان ہے کہ شیخ فخر الدین نے یہ غزل اپنے مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی کے فراق اور اپنی غربت وطن پر کہی تھی، جس کے بعد شیخ بہاء الدین زکریا نے ان کو عراق واپس جانے کی اجازت دے دی، مگر میخانہ مؤلفہ عبد النبی مین شیخ فخر الدین عراقی کے جو تفصیلی حالات درج ہین، اس کے مطالعہ سے یہ روایت صحیح نہین معلوم ہوتی ہے، [6] مراۃ الخیال ص ۱۶۴

مندرجۂ بالا غزل چنگ و چغانہ کے ساتھ پڑھتے ہوئے شہر سے واپس ہوئے تو اپنے مرشد شیخ بہاء الدین زکریا کو یہ واقعہ سنایا، مرشد نے یہ سن کر شیخ فخرالدین عراقی کے متعلق فرمایا کہ

"کار او تمام شد"

اور پھر شیخ فخرالدین عراقی کے پاس خلوت میں پہنچکر ارشاد فرمایا:-

عراقی! مناجات در خرابات می کنی، بیرون آئی"

شیخ عراقیؒ باہر آئے، مرشد کے قدمون پہ سر رکھدیا، اور دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتے رہے، مرشد نے اپنے دستِ مبارک سے ان کا سر اٹھایا، اور سینہ سے لگایا، شیخ عراقی نے اسی وقت ایک غزل کہی، جس کا مطلع یہ ہے،

در کوے خرابات کسے را کہ نیاز است	ہشیاری و مستیش ہمہ عین نماز است

مرشد نے اسی وقت اپنا خرقہ اتار کر ان کو پہنادیا، اور اسی مجلس مین اپنی صاحبزادی کو اُن کے حبالۂ نکاح مین دیدیا، شیخ عراقی اپنے مرشد اور خسر کی خدمت مین پچیس سال رہے، اسی اثنار مین اُن کے فرزند ارجمند شیخ کبیرالدین کی پیدائش ہوئی،

حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے اپنے وصال کے وقت شیخ فخرالدین عراقی ہی کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنایا تھا، مگر شیخ فخرالدین عراقیؒ نے مرشد کی دیرینہ روایات کی پابندی نہ کی، وہ مغلوب الحال ہوکر اپنے جذبات کا اظہار شعر و شاعری کے ذریعہ سے کیا کرتے تھے، جس کو شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے اور دوسرے مریداپنے مرشد کے طریقے اور مسلک کے خلاف سمجھتے تھے، شیخ فخرالدینؒ نے یہ محسوس کیا، تو اس منصب سے علحدہ ہوکر عدن کی طرف روانہ ہوگئے، عدن کا سلطان ان کی شہرت سن چکا تھا، اور ان کی شاعری کا معتقد تھا، چنانچہ وہ عدن پہنچے، تو علمار و صلحار کی معیت مین ان کا شاندار استقبال کیا، اور شاہی خانقاہ مین ٹھہرایا، اور ہر قسم کی خاطر و تواضع کی، حج کا موسم آیا

تو شیخ فخرالدین عراقیؒ نے خانۂ کعبہ کی زیارت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، سلطان ان کا اس قدر گرویدہ ہوگیا تھا کہ ان کی مفارقت گوارا نہ کی، مگر وہ خانۂ کعبہ کی زیارت کے اشتیاق مین سلطان کی اجازت کے بغیر چپ چاپ عدن سے چل کھڑے ہوئے، سلطان کو ان کے جانے کی خبر ملی، تو ان کی علحدگی سے بے تاب ہوکر خود بھی عازم حج ہوا، مگر پھر لوٹ آیا، اور بے انتہا مال و دولت کا نذرانہ ان کی خدمت مین اس ہدایت کے ساتھ بھیجا، کہ اگر وہ اس کو قبول نہ کرین تو ان کے خادمون اور مریدون مین تقسیم کردیا جائے،

شیخ فخرالدین عراقیؒ مست و سرشار مکہ معظمہ پہونچے، احرام باندھتے وقت انھون نے ایک قصیدہ تحریر فرمایا، جس کا مطلع یہ تھا،

اے جلالت فرشِ عزت جاودان انداختہ

گوئے در میدانِ وحدت کامران انداختہ

اور جب خانۂ کعبہ پر ان کی نظر پڑی تو اس کے انوار و تجلیات سے مسحور ہوکر ایک دوسرا قصیدہ کہا جس کے دو شعر یہ ہین،

تعالیٰ من توحد بالکمال	تقدس من تفرد بالجلال
جندا صفۂ بہشت مثال	کہ بود آسمانش صفِ نعال

مدینہ منورہ پہونچے تو ان پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوگئی، اور ایک رات مین پانچ قصیدے کہے، ان قصیدون کے صرف مطلعے ملاحظہ ہون،

(۱)

عاشقان چون بردرِ دل حلقۂ سودا زنند

آتش سودائے جانان در دل شیدا زنند

(۲)

شہبازم وچو صید جہان نیست درخورم ناگہ بود کہ از کفِ ایام برپرم

(۳)

اے رخت مجمعِ خیال شدہ مطلعِ نورِ ذوالجلال شدہ

(۴)

راہ باریکست و شب تاریک و مرکب لنگ و پیر اے سعادت رُخ نمای و اے عنایت دستگیر

(۵)

دل ترا دوست تر ز جان دارد جان زمہرِ تو درمیان دارد[1]

مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہو چکے، تو اقصائے روم کی سیاحت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، قونیہ پہنچکر وہان حضرت شیخ محی الدین عربی کے خلیفہ اور سجادہ نشین حضرت شیخ صدرالدین کی خدمت مین پہونچے ان کی صحبت مین روحانی دلچسپی ہوئی تو ایک عرصہ تک قونیہ مین قیام پذیر رہے، اور حضرت شیخ صدرالدین کی صحبت مین فصوص الحکم کا مطالعہ کیا، جس کے بعد اپنی مشہور کتاب لمعات تصنیف کی، حضرت شیخ صدرالدین نے اس کو پڑھ کر فرمایا، کہ

"اے فخرالدین عراقی سرِ سخن مردان آشکارا کردی"[2]

چنانچہ یہ کتاب اربابِ تصوف کے حلقہ مین برابر مقبول رہی، ملا نورالدین عبدالرحمٰن جامی نے اشعۃ اللمعات[3]، اور مولانا صائن الدین علی ترکہ اصفہانی نے ضوء اللمعات[4] کے نام سے اس کی شرحین لکھی ہین، سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ صدر خاوری نے بھی اس کی شرح تحریر کی ہے،

---

[1] یہ تمام تفصیلات میخانہ مؤلفہ عبدالنبی ص ۲۶-۲۷ سے لی گئی ہین [2] میخانہ ص ۲۷،
[3] برٹش میوزیم کیٹلاگ ص ۲۰۹ [4] ایضاً صفحہ ۳،

اور لمعات کی تعریف مین یہ شعر لکھا ہے،

چہ در سنبل چہ در آہوے تاتار نسیمش نافہ مشکِ او دیار (؟)

اور خود سیر العارفین کے مؤلف نے لمعات کی مدح ان الفاظ مین کی ہے،

"اربابِ بصیرت پر مخفی نہین ہے، کہ لمعات ایک قطرۂ سحاب فیض کا ہے، جو دریاے معرفت سے شیخ بہاء الدین ذکریا قدس اللہ سرہ العزیز کے فخرالدین کی زبان پر ٹپکا"[1]

یہ کتاب فصوص الحکم کے طرز پر لکھی گئی ہے، اور اس مین بھی فصوص کی طرح اٹھائیس فصلین ہین، میخانہ کے مؤلف کا خیال ہے، کہ

"لمعات بحقیقت لُبِ فصوص است"[2]

یہان کے قیام کے زمانہ مین امیر معین الدین شیخ فخرالدین عراقی کا بے حد معتقد ہو گیا تھا، اس کا اصرار تھا کہ وہ کوئی جگہ انتخاب کرکے اپنے لئے خانقاہ بنالین، پہلے تو انھون نے اس کو پسند نہ کیا لیکن پھر توقات مین خانقاہ بنوائی ایک بار امیر معین الدین کچھ نقد رقم لیکر ان کی خدمت مین حاضر ہوا، مگر انھون نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا، امیر معین الدین نے شکستہ خاطر ہو کر کہا کہ آپ مجھ سے نہ کوئی خدمت لیتے ہین، اور نہ میری طرف التفات فرماتے ہین، شیخ نے ہنس کر جواب دیا، کہ

"اے امیر! ما را نیز رنمی توان فریفت،

طبیعت مین وارفتگی تھی، اور اس وارفتگی کے عالم مین بعض اوقات ان کے حرکات و اعمال اربابِ ظاہر کے لئے ناپسندیدہ ہو جاتے تھے، ایک روز امیر معین الدین ان کی قیامگاہ پر آیا، تو ان کو وہان نہ پایا، ان کی تلاش مین باہر نکلا، تو دیکھا کہ کچھ لڑکے ان کے گلے مین رسی ڈال کر اُن کو ادھر ادھر دوڑا رہے ہین، بعض لوگون نے شیخ عراقی کی اس حرکت پر طنز بھی کیا، لیکن امیر معین الدین نے طنز و تشنیع پر توجہ

---

[1] سیر العارفین اردو ترجمہ جلد اول ص ۴۴ [2] میخانہ ص ۳۰،

نہ کی، اور شیخ کی معیت مین ان کی قیامگاہ پر واپس آیا، اسی طرح ایک روز شیخ اپنی قیامگاہ سے باہر گئے، تو دو دن تک واپس نہ آئے، امیر معین الدین نے ہر طرف آدمی دوڑائے لیکن اُن کا کہین پتہ نہ چلا، تیسرے روز خبر ملی کہ وہ پہاڑ کے دامن مین مقیم ہین، امیر معین الدین اپنے ساتھیون کے ہمراہ وہان پہنچا، تو شیخ کی عجیب کیفیت دیکھی، وہ برہنہ پا اور برہنہ سر بوٹ کے تودون مین رقص کر رہے تھے، ان کے جسم سے پسینہ جاری تھا، اور اسی جذب کے عالم مین اشعار کہتے جاتے تھے، جن مین سے ایک شعر یہ ہے:-

در جام جہان نمائے اوّل   شد نقش ہمہ جان ممثّل

بڑی شکل سے شہر کی طرف مراجعت کرنے کے لئے رضامند ہوئے، تھوڑے ہی عرصہ کے بعد امیر معین الدین کے بُرے دن آگئے، اربابِ سلطنت اس سے برگشتہ ہوگئے، اور حکومت کی طرف سے اس کی املاک ضبط کر لی گئی، اس کو اپنی زندگی کی خاطر شہر کو بھی خاموشی سے چھوڑ دینا پڑا، مگر جب وہ شہر سے جانے لگا، تو رات کو شیخ کی خدمت مین حاضر ہوا، اور جواہرات کا ایک ذخیرہ پیش کر کے گذارش کی، کہ ان جواہرات کو جس طرح چاہین، خرچ کرین، مگر میرا لڑکا مصر مین مقید ہے، اگر ممکن ہو تو اس کی رہائی کی کوشش کرین، اس کو رہا کر کے اپنے پاس رکھین، اور اس کو ایک لمحہ کے لئے اپنے سے جدا نہ کرین، اس کو اپنا پُرانا خرقہ بھی پہنائین، اور اس کو موقع نہ دین کہ وہ اس خرقہ کو ضائع کرے، امیر یہ باتین کہتے وقت اشکبار ہو رہا تھا، خود شیخ پر بھی گریہ طاری تھا، بالآخر شیخ کے پاؤن کا بوسہ دیکر وہ رخصت ہوگیا، شیخ نے جواہرات کو بطور امانت اپنے پاس رکھ لیا،

امیر معین الدین کی معزولی کے بعد اس علاقہ کی نگرانی خواجہ شمس الدین کے سپرد[1] کی گئی، اس کی دعوت مین مولانا امین الدینؒ بھی تشریف لائے، تو قات مین پہونچکر مولانا امین الدین شیخ فخر الدین عراقیؒ کو

[1] ہلاکو کے زمانہ سے ارغوں کی تخت نشینی (۶۸۳ھ) تک ایلخانیون کے دیوانی معاملات کی نگرانی خواجہ شمس الدین کے سپرد تھی، دیکھو حواشی میخانہ ص ۵۲، میخانہ کے مؤلف نے مولانا کے لئے یہ القاب استعمال

بھی ملنے آئے، دونون بڑی گرمجوشی سے ایک دوسرے سے ملے، اور جب سیر و سلوک پر گفتگو شروع ہوئی، تو دونون ایسے محو ہوئے کہ رات کا کافی حصہ گذر گیا، پھر بھی دونون کی تشنگی باقی رہی، یہان تک کہ تین دن گذر گئے، چوتھے روز مولانا امین الدین خواجہ شمس الدین سے ملے تو موخر الذکر نے تین دن کی مفارقت کی شکایت کر کے اپنے ملال کا اظہار کیا، مولانا امین الدین نے خواجہ شمس الدین کی دلجوئی کر کے فرمایا کہ شیخ فخر الدین عراقیؒ کی صحبت مین تھا، اور اُن سے ایسی باتین سُنین جو کسی سے عمر بھر نہ سنی تھین، ان کی صحبت مین تین سال رہتا، یا تمام زندگی رہنے کا موقع مل جاتا، تو بھی ان کی مفارقت گوارا نہ کرتا، مولانا امین الدین کی اس عقیدتمندی کو سُن کر خواجہ شمس الدین کو بھی شیخ فخر الدین عراقی سے ملنے کا اشتیاق ہوا، اور ان کو لانے کے لئے خلعت کے ساتھ ایک اونٹ بھیجا، شیخ فخر الدین عراقیؒ جب قریب پہونچے تو خواجہ شمس الدین معزز لوگون کے ساتھ اُن کے استقبال کے لئے گیا، شیخ نے مولانا امین الدین کو دیکھ کر کہا "انْ ھی الا فتنتک" یعنی مجھ کو یہان بلا بھیجنے مین تمہارا ہی فتنہ ہے، خواجہ شمس الدین اُن سے بڑی تعظیم کے ساتھ پیش آیا، اور جب سلوک پر گفتگو شروع ہوئی، تو شیخ کی گفتگو مین اتنی تاثیر اور گرمی تھی کہ خواجہ شمس الدین کی آنکھون سے بہت دیر تک بے اختیار آنسو جاری رہے،

کچھ ہی عرصہ کے بعد حاسدون نے اربابِ حکومت کے پاس مخبری کی، کہ امیر معین الدین کی ساری دولت شیخ فخر الدین عراقی کے پاس جمع ہے، مگر اُن کی گرفتاری سے پہلے خواجہ شمس الدین نے ان کو اس کا موقع دیا کہ وہ توقات چھوڑ کر کہین اور منتقل ہو جائین، چنانچہ وہ امیر معین الدین کی امانت کو لیکر دو آدمیون کے ساتھ یثرب کی طرف روانہ ہوگئے، اور وہان سے مصر پہونچے، یہان خانقاہ صالحیہ مین قیام کر کے امیر معین الدین کے لڑکے کی رہائی کی تدبیرین کین، مگر کوئی صورت کارگر نہین ہوئی، تو سلطان مصر کے دربار کے دروازے پر پہونچے، حاجبون نے پہلے تو روکا، مگر پھر اندر جانے کی اجازت دیدی، سلطان

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۶) . . . . سلطان المحققین امین الحق والدین حاجی تغمدہ اللہ برحمتہ کئے ہین

کو دیکھ کر سلام کیا، اور امیر معین الدین کی امانت اس کے سامنے رکھ کر کھڑے ہوگئے، سلطان نے اُن کو دیکھ کر محسوس کیا، کہ وہ کوئی اعلیٰ پایہ کے بزرگ ہین، چنانچہ اس نے ان کو عزت سے بٹھایا، اور جواہرات کی گٹھری کی طرف اشارہ کرکے پوچھا کہ اس مین کیا ہے، شیخ فخرالدین عراقی نے جواب دیا کہ یہ امانت ہے، سلطان نے اس کو کھولنے کا حکم دیا اور بیش بہا جواہرات دیکھ کر متحیر ہوا، مزید تفصیل پوچھی تو شیخ فخرالدین عراقیؒ نے ساری باتین بتا ئین، سلطان کو تعجب تھا کہ اس شخص نے جواہرات کو میرے سامنے لاکر تحفہ کے طور پر حاضر کر دیا ہے' اور اپنے لئے اسکو پسند نہین کیا، شیخ کو نورِ باطن سے سلطان کے اس تعجب کا کشف ہو گیا، چنانچہ اسی وقت کلام پاک کی اس آیت قل متاع الدنیا قلیل والاخرۃ خیر لمن اتقیٰ ولا تظلمون فتیلا کی تفسیر بیان فرمائی، سلطان ان کی تقریر سے متاثر ہو کر اپنی مسند سے نیچے اُتر آیا، اور شیخ کے سامنے مودب ہو کر بیٹھ گیا، اور ان کی باتین سنتا رہا، اور ہر بات پر روتا تھا، کہا جاتا ہے کہ

"سلطان آن روز چندان بگریست کہ در ہمہ عمر خود نہ گریستہ بود"؎

اسی روز سلطان نے امیر معین الدین کے لڑکے کو قید سے رہا کرنے کا حکم جاری کیا، اور اس کے ساتھ بہت ہی لطف و کرم کے ساتھ پیش آیا، غایت عقیدت مین اس نے شیخ فخرالدین عراقی کو سلطنت کا شیخ الشیوخ بنانے کا ارادہ ظاہر کیا، دوسرے دن اس منصب کے عطا کرنے کی تقریب مین تمام صوفیہ علماء اور اکابر سلطنت کو مدعو کیا، اس دعوت پر دربار مین چھ ہزار صوفیہ جمع ہوئے اور بڑے اعزاز کے ساتھ شیخ فخرالدین عراقیؒ کو خلعت اور طیلسان پہنایا گیا، اس کے بعد ایک جلوس مرتب کیا گیا جس مین صرف شیخ فخرالدین عراقیؒ گھوڑے پر سوار تھے، اور باقی تمام صوفیہ علماء اور امراء اُن کے رکاب مین پاپیادہ تھے، شیخ نے اپنی یہ عظمت اور توقیر دیکھی تو انھون نے اپنے مین نفس کا استیلا اور غلبہ محسوس کیا، اس لئے اضطراراً طیلسان اور دستار کو اتار کر گھوڑے کی زین کے آگے رکھ لیا، کچھ دیر کھڑے ہو کر پھر دستار کو سر پر رکھ لیا، حاضرین یہ دیکھ کر ہنسے، اور آپس مین کہنے لگے کہ ایسا دیوانہ اور مسخرہ

؎ نفحات الانس ص ۵۹۶،

شیخ الشیوخ کے منصب کے لئے کیونکر موزون ہو سکتا ہے، وزیر نے شیخ سے پوچھا یا شیخ لما فعلت ھذا اے شیخ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ شیخ نے جواب دیا، وانت ما تعرف الحال (آپ کو حال سے واقفیت نہین) اور جب سلطان کو اس کی خبر ملی تو شیخ کو بلا کر اس واقعہ کے متعلق استفسار کیا، شیخ نے جواب دیا کہ

"نفس برمن مستولی شدہ بود، اگر چنین نکردمے خلاص نیافتمے، بلکہ در عقوبت بماندمے"،

اس جواب کو سن کر سلطان کا اعتقاد اور بھی بڑھ گیا، اور شیخ کے وظیفے مین مزید اضافہ کر دیا، مگر شیخ کی طبیعت کی بے قراری اور مزاج کی آشفتگی بدستور سابق قائم رہی، وہ بازارون، سڑکون اور گلیون مین بلا تکلف گھومتے نظر آتے تھے، اور اس بے تکلفی مین ان سے بعض ایسی باتین سرزد ہو جاتین جو درویشی اور مشیخت کے لئے ناموزون ہوتین، پھر بھی ان سے لوگون کی عقیدتمندی قائم رہی، سلطان نے حکم دے رکھا تھا، کہ وہ اس کے پاس جس وقت بھی تشریف لانا چاہین، ان کی مزاحمت نہ کی جائے، چنانچہ اگر وہ حرم یا خوابگاہ مین بھی ہوتا تو فوراً قدمبوسی کے لئے حاضر ہو جاتا، کچھ روز کے بعد شیخ کی طبیعت مصر سے گھبرا گئی تو دمشق کی طرف جانے کا قصد کیا، سلطان نے روکنا چاہا، مگر وہ اٹھ کھڑے ہوئے جس کے بعد سلطان نے شام کے ملک الامراء کو ان کے استقبال اور پذیرائی کے لئے لکھا چنانچہ اُس نے تمام علماء و مشائخ کے ساتھ اُن کا پرجوش خیر مقدم کیا، یہان اُن کے قیام کے چھ مہینے کے بعد ان کے فرزند شیخ کبیرالدین ہندوستان سے ملنے آئے، بیٹے کے آنے کے کچھ دنون کے بعد اُن کے چہرے پر دموی ورم ظاہر ہوا، جس سے وہ پانچ روز تک سو نہ سکے، اور یہی عارضہ اُن کے لئے مرض الموت ثابت ہوا، موت کے وقت شیخ کبیرالدین کو پاس بلایا، اور یہ آیت پڑھی،

	ترجمہ	
یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ		جس روز ایسا آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی مان سے
وصاحبتہ وبنیہ لکل امرئ منھم		اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا
یومئذ شان یغنیہ (عبس - ۱)		ان مین ہر شخص کو ایسا مشغلہ ہوگا جو اس کو اور طرف

پھر یہ رباعی کہی،

در سابقہ چون قرار عالم دادند ما را نہ برمراد آدم دادند
ذانکہ[۳۱] قاعدہ و قرار کانروز افتاد نہ بیش بکس وعدہ و نہ کم دادند

اس کے بعد کلمۂ طیبہ پڑھتے ہوئے عالم جاودانی کو سدھارے، وفات کے وقت سن شریف اٹھاسی سال تھا[۳۲]، میخانہ اور نفحات الانس مین سنہ وفات ۶۸۸ھ ہے، تاریخ گزیدہ مین ۶۸۶ھ اور تذکرۂ دولت شاہ مین ۷۰۹ھ مرقوم ہے، مگر اول الذکر سنہ ہی صحیح سمجھا گیا[۳۳]، ان کو مزار کے متعلق نفحات الانس مین ہے،

"و قبر وے در قفاے مرقد شیخ محی الدین بن العربی است قدس اللہ تعالیٰ روحہما در صالحیہ دمشق و قبر فرزندش کبیر الدین در پہلوے قبر وے رحمہ اللہ تعالیٰ"،

تذکرۂ دولت شاہ مین ہے:-

"مرقد مبارکش در جبل صالحیہ است، و در قدم حضرت قدوۃ العارفین شیخ الشیوخ العالم ہادی الخلائق والامم شیخ محی الدین بن العربی قدس اللہ سرہٗ العزیز آسودہ است"[۳۴]

سیر العارفین مین ہے:-

"قبر ان کی برابر مزار شیخ محی الدین عربی کے ہے، چنانچہ یہ فقیر جمالی بھی وہان جاکر زیارت سے فیضیاب ہوا ہے، محلہ مشہور صالحیہ دمشق مین مزار ان کا واقع ہے، اور اس دیار کے زائر دونون مزارون کی نسبت اتفاقاً یون کہتے ہین کہ ہذا بحر العرب یعنی یہ قبر شیخ محی الدین عربی کی

---

[۳۱] مراۃ الخیال۔ ہر قاعدہ و قرار کانروز افتاد نے بیش بکس ز وعدہ نے کم دادند
[۳۲] تذکرۂ دولت شاہ مین بیاسی سال مرقوم ہے [۳۳] دیکھو حواشی میخانہ ص ۶، نیز مراۃ الخیال ص ۸۴ و مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین [۳۴] تذکرۂ دولت شاہ ص ۲۱۶،

سمندر پر فیض عرب شریف کا ہے، اور نسبت قبر شیخ مولانا فخر الدین کی کہتے ہین، ہذا بحر العجم یعنی یہ سمندر عجم کا ہے، بڑا فیض پہنچانے والا، اور قبر شیخ اوحد الدین کرمانی کی بھی، اسی متبرک جگہ پر ہے"[۳۵]،

شیخ فخر الدین عراقی کی تصانیف مین لمعات کے علاوہ ایک مثنوی اور ایک دیوان بھی ہے، مثنوی کا نام برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات کی فہرست مین عشاق نامہ درج ہے[۳۶]، میخانہ مین مثنوی کا نام مرقوم نہین ہے، لیکن اس کا ذکر ان الفاظ مین ہے،

"مثنوی بہ طرز حدیقہ برشتہ نظم درآوردہ، و درآن میان غزل گوئی فرمودہ"

اور اسی کے ساتھ اس مین مثنوی کے کچھ اشعار بھی منقول ہین، جو ہم بھی ہدیۂ ناظرین کرتے ہین،

از عراقی[۳۷] سلام بر عشاق آن جگر خستگان تیر فراق
آن غریبان منزل دنیا آن عزیزان جنت الماویٰ
محرمان سراچۂ قدسی لوح خوانان سرّ کرسی
سالکان طریقۂ علیا، راہ داران جادۂ سفلیٰ
زندہ جانان مردہ در غم یار مست حالان و جان و دل ہشیار
بادشاہان تخت روحانی غوطہ خواران بحر نورانی
شاہ بازان در قفس ماندہ بیش بنیان باز پس ماندہ
از حدود وجود گم گشتہ از عقول و نفوس بگذشتہ
ہمچو شان نزد دوست پروانہ سوختہ چون ز شمع پروانہ
ہمچو پروانہ ز اشتیاق رخش خویشتن را فگندہ در آتش

---

[۳۵] سیر العارفین اردو ترجمہ جلد اول ص ۲۵، ۲۴ [۳۶] برٹش میوزیم کٹیلاگ فارسی مخطوطات ص ۵۹۴، [۳۷] میخانہ صفحہ ۴۴ و صفحہ ۴۹،

در رو دوست پا ز سر کردہ   ابجد عشق را ز بر کردہ ،

چون ز کتاب دہر جیفہ شدہ   بر سریر صفا خلیفہ شدہ

یار خود دیدہ در پس پردہ   تن بجان ماندہ جان فدا کردہ

مے نخوردہ شدہ بوے مست   دوست نادیدہ دل بدادہ دست

بر دیار منتظر ماندہ ،   نمکِ شوق بر دل افشاندہ

بارِ محنت کشیدہ چون ایوب   زہر فرقت چشیدہ چون یعقوب

نظر جان ز جسم بگسستہ   صدق میعاد باز دانستہ

کردہ از جان بسوی کویش روی   لیس فی جبتی سوے اللہ گوے

جان انا الحق زنان و تن بردار   فارغ از جنت و گذشتہ ز نار

علمِ اتحاد بر بستہ   لشکر آز و خشم بشکستہ

بن و بیخِ خیال بر کندہ   گشتہ آزاد و ہجنان بندہ

دیوان مین قصیدون اور غزلون کے ہزارون اشعار ہین، اُن کے عارفانہ اشعار کی داد ہر تذکرہ مین ملی ہے، ملا جامی نفحات الانس مین رقمطراز ہین،

"وے صاحب کتاب لمعات ست، و دیوان شعر وے مشہور است؛"

تذکرۂ دولت شاہ مین ہے،

"سخنان پر شور و عارفانہ دارد و در وجد و حال بے نظیر عالم بودہ و موحدان و عارفان سخن اورا معتقد اند" (ص ۲۱۵)

سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے،

"اور نیز اکثر قصائد و مدائح خوب در مرغوب اپنے پیر بے نظیر شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہ

کی صفت و ثنا مین فخر الدین مرحوم نے لکھے ہین" (ص ۲۴ جلد اول)

مخزن الغرائب مین ہے،

"سخنان پر شور و عاشقانہ بسیار و مشہور است" (قلمی نسخہ دار المصنفین)

ان کا دیوان چھپ گیا ہے، غزلون کے کچھ اشعار اور رباعیات ملاحظہ ہون،

بیا اے دیدہ تا یکدم بگرییم   نیم چون خوش دل و خرم بگرییم

گہے از درد بے درمان بنالیم   گہے از زخم بے مرہم بگرییم

نشد جان محرم اسرار جانان   بران محروم نا محرم بگرییم

عراقی را کنون ماتم بداریم   بران مسکین درین ماتم بگرییم

چہ کردہ ام کہ دلم از فراق خون کردی   چہ اوفتاد کہ دردِ دلم فزون کردی

ہمہ حدیث وفا و وصال می گفتی   چہ عاشق تو شدم قصہ باژگون کردی

بسوختی دل و جانم گداختی جگرم   بآتش غمت از بسکہ آزمون کردی

سیاہ روے دو عالم شدم کہ در خم فقر   گلیم بخت عراقی سیاہ گون کردی

دست از دلِ بے قرار شستم   و اندر سرِ زلف یار بستم

بیدل شدم و ز جان بیکبار   چون طرۂ یار بر شکستم

گویند چگونہ ؟ چہ گویم ؟   ہستم ز غمش چنانکہ ہستم

ساقی قدحے کر از مے عشق   چون چشم خوش تو نیم مستم

در دامِ بلا فتادہ بودم   ہم طرۂ او گرفت دستم

شد نوبت خویشتن پرستی   آمد گہ آنکہ مے پرستم

فارغ شوم از غم عراقی   از زحمتِ او چو باز رستم

در میکدہ می کشم سبوے باشد کہ بیابم از تو بوے

اے دوست الغیاث کہ جانم بسوختی فریاد کز فراق روانم بسوختی

دانم کہ سوختی ز غم عشق خود مرا لیکن ندانم اینکہ چیانم بسوختی

رباعی

گل صبحدم از باد بر آشفت و بریخت با باد صبا حکایتے گفت و بریخت

بدعہدی عمر بین کہ گل در دہ روز سر بر زد و غنچہ کرد و بشگفت و بریخت

رباعی

یا رب تو بجود مرا توانگر گردان وز ہر چہ جبر از تست دلم برگردان

آمیختہ شد مس و غل با نقدم آخر نظرے مس را زر گردان

(باقی)

سلطان قطب الدین ایبک کا مقبرہ

از

جناب محمد شجاع الدین صاحب ایم اے پنجاب یونیورسٹی ریسرچ اسکالر

(۲)

مقبرہ فیروز تغلق کے عہد میں

سلطان فیروز تغلق کو تعمیر عمارات سے جو شغف تھا، محتاج تفصیل نہیں، بقول شمس[51] سراج عفیف "شہرہا و حصارہا و کوشکہا و بندہا و مساجدہا و مقابرہا بسیار و بے شمار بنا فرمود" جدید عمارات کی تعمیر[52] مدارس کے قیام کے علاوہ اس نے قدیم مشائخ اور سلاطین کے مقابر کی مرمت اور آبادی کی طرف بھی کما حقہ توجہ کی اور ان کے ملحقہ آثار خیر یعنی مدارس وغیرہ جو اوقاف کا نظام درہم برہم ہو جانے کی وجہ سے رو بہ انحطاط تھے، سلطان کی مساعی سے اوقاف کا نظام درست ہو جانے کے سبب پھر خلق خدا کو فائدہ پہنچانے لگے، ہم عصر مورخ شمس سراج عفیف لکھتا ہے:-

"سلطان فیروز شاہ مقابر سلاطین ماضیہ انار اللہ برہانہم را از سر مرمت کنانیدہ و تازہ گردانیدہ زیرا چہ زمرۂ تاجداران و فرقہ شہریاران را از غایت عظمت و نہایت مکنت از حال سلاطین ماضیہ کجا یاد می آید، تا تفحص و تجسس مقابر ایشان شود، بدین سبب بیشتر مقابر سلاطین پیشین خراب و پست گشتہ بود"

---

[51] تاریخ فیروز شاہی (ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۹۱ء) ص ۳۳۰

[52] ایضاً ص ۳۳۲-۳۳۳،

سلطان کی مسیحا نفسی نے نہ صرف ان قدیم مقابر کو انہدام سے بچا لیا، بلکہ اوقاف کی جدید تنظیم سے ان کے متعلقہ آثارِ خیر کو بھی زندہ کر دیا، آثارِ قدیمہ کے اس شیدائی سلطان نے دہلی میں سلطان شمس الدین التمش اور علاؤ الدین خلجی کے مقابر کے علاوہ دورِ اسلامیہ کی لاثانی یادگار قطب مینار اور حوض خاص کی مرمت بھی کرائی، اور حوض خاص کے متصل ایک عدیم المثال تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھی،[۱]

اگرچہ کسی مورخ نے اس امر کی طرف صاف اشارہ نہیں کیا، لیکن ہم کو یقین ہے کہ شمس سراج عفیف کے بیان کے مطابق جن قدیم مقابر کی مرمت سلطان فیروز تغلق نے کرائی، اُن میں سلطنت دہلی کے بانی سلطان قطب الدین ایبک کا مقبرہ بھی تھا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایبک جیسے اہم سلطان کی آخری آرامگاہ اس کی نظروں سے اوجھل رہی ہو، چنانچہ مرمت کے بعد اوقاف کی جدید تنظیم سے اس مقبرے کے متعلقہ آثارِ خیر یعنی مدرسہ، رباط، محتاج خانہ، لنگر خانہ وغیرہ بھی ایام سابقہ کی طرح اہلِ حاجت کا ماوی و ملجا بن گئے ہوں گے،

لاہور اور سید مبارک شاہ

لاہور پھر سلطان سید مبارک شاہ کے عہد سے تاریخ کے اوراق میں نمایاں نظر آنے لگتا ہے، تاریخ مبارک شاہی شاہد ہے[۲] کہ جب یہ بادشاہ ۱۴۲۱ء میں لاہور آیا، اس وقت یہ شہر حملہ آوروں کی تاخت و تاراج اور حاکم نشین شہر نہ رہنے کے سبب بالکل برباد ہو چکا تھا، اور اس کی حالت یہ تھی،

"در آن مرز بوم جز بوم شوم ہیچ جانورے مسکن و ماوی نہ گرفتہ بود"،

بادشاہ ایک ماہ تک دریائے راوی کے کنارے خیمہ زن رہا، اور اپنی زیرِ نگرانی شہر کی فصیل اور پھاٹکوں کی مرمت کرائی، اور اسے از سرِ نو آباد کرکے ملک الشرق ملک محمد حسن کو حاکم لاہور مقرر کیا، اب یہ شہر پھر صوبہ لاہور کا صدر مقام بن گیا، سیدوں کے بعد لودی پٹھانوں کے دور میں شہر لاہور

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی ضیا برنی ص [illegible] [۲] تاریخ فرشتہ (نولکشور) ص ۱۵۱ [۳] تاریخ مبارک شاہی ص ۱۹۷ (انگریزی ترجمہ) صفحہ ۲۰۴،

بتدریج ترقی کرتا رہا، اور بہت سے علما و صلحا یہاں آ آباد ہوئے،

مقبرہ قطب الدین ایبک دورِ مغلیہ میں

سطور بالا میں اس امر کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ قدیم فارسی مورخین سیاسی امور کے علاوہ دوسری باتوں کا بہت کم ذکر کرتے ہیں، چنانچہ ایبک کے مقبرے کے متعلق کوئی تاریخ ہمیں یہ نہیں بتاتا، کہ التمش کے عہد سے لے کر جلال الدین اکبر کے دور تک اس پر کیا گذری اور کس کس وقت اس کی عمارت اس کے متعلقہ ادارے اور اوقاف تیر بلا کا ہدف بنے، اور کون کون سے نیک دل سلاطین اور حکام نے اس کی آبادی اور مرمت کا خیال کیا،

تعمیر مقبرہ کے تقریباً پونے چار سو سال بعد اکبری دور کا مشہور مورخ عبد القادر بدایونی سلطان قطب الدین ایبک کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے کہ

"در آن بلدہ (لاہور) مدفون گشت[۱] قبر او حالا زیارت گاہ مردم است"

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پاک باطن اور نیک دل سلطان کی آخری آرامگاہ وفات سے لیکر اس وقت تک مرجع انام بنی رہی تھی، اور لاہور کے قابل دید مقامات[۲] میں شمار ہوتی تھی،

مرقدش اندر جہانِ بے ثبات — اہلِ حق را داد پیغامِ حیات

خدا جانے التمش کے عہد سے لے کر اکبر کے زمانے تک اور اس کے بعد آج تک کون کون سے علماء، مشائخ، سلاطین، درویش اور سیاح اس عظیم الشان فاتح اور سخی شہنشاہ کی قبر پر فاتحہ خوانی کے شرف سے مشرف ہوئے ہیں، اور اس مزار پرانوار کے پہلو میں کیسی کیسی علمی اور روحانی محفلیں منعقد ہو چکی ہیں، لیکن

---

[۱] منتخب التواریخ (نولکشور ایڈیشن) ص ۱۷ (رائل سوسائٹی ایڈیشن) ص ۵۶، [۲] دورِ مغلیہ کی بے نظیر تاریخی یادگاریں مثلاً شاہدرہ کے مقابر، شالامار باغ، مسجد وزیر خان اور شاہی مسجد وغیرہ اکبر کے عہد کے بہت بعد تعمیر ہوئیں، اس لئے اکبر کے دور میں ایبک کا مقبرہ لاہور کی ایک بہت اہم سیرگاہ تھا، اور بقول بدایونی لوگ وہاں بکثرت جاتے تھے،

افسوس ہے کہ تاریخ کے اوراق نے اس داستان کو کسی حد تک ہم تک نہین پہنچایا، اور آج نہایت کنج کاوی اور موشگافی کے بعد بھی اس پر محض چند اوراق لکھے جاسکے ہین،

نشانِ لالۂ این باغ از کہ می پرسی ... بر دکہ آنچہ تو دیدی بجز خیال نماند

محلہ قطب غوری | اکبر اعظم نے ۱۵۸۵ء سے لے کر ۱۵۹۸ء تک کامل چودہ سال لاہور کو اپنا مستقر بنائے رکھا، تاکہ کشمیر، سرحد اور سندھ کی مہمون کی ایک قریبی مقام سے نگرانی کرسکے، یہ زمانہ لاہور کی آبادی اصلاح اور ترقی کے لئے ایک سنہری موقع ثابت ہوا، اکبر نے شہر کی فصیل اور قلعہ از سرِ نو بنوائے، قلعہ مین عالیشان محلات کی بنیاد رکھی جن کے کھنڈرات آج تک اس کی عظمت کے آئینہ دار ہین، بادشاہ کی تقلید مین ابو الفضل، راجہ ٹوڈرمل، بھگوان داس وغیرہ اُمرا نے بھی یہان عمارات تعمیر کرائین، اور فصیل شہر کے اندر اور باہر بے شمار محلات، باغات، مساجد اور مقابر بنوائے گئے، لاہور کی ترقی کا یہ سلسلہ جہانگیر اور شاہجہان کے زمانہ مین بھی جاری رہا، بلکہ عہدِ شاہجہانی مین تو یہ شہر معراجِ کمال پر پہنچ گیا، اس دور مین شہر کی آبادی فصیل کے باہر بھی میلون تک پھیل گئی، اور بہت سے نئے محلے آباد ہوگئے، ان محلون کے درمیان باغات اور مقابر بنے ہوئے تھے، اور شہر مین جابجا عالیشان مساجد تھین،

مفتی تاج الدین صاحب کا بیان[1] ہے کہ لوہاری دروازے کے باہر ایبک کے مقبرے کے متصل جو محلہ آباد ہوا، اس کا نام محلہ قطب غوری تھا، یہ محلہ مقبرے کے وسیع احاطے کے چارون جانب

[1] تاریخ پنجاب از مفتی تاج الدین صاحب مفتی صاحب مرحوم لاہور کے ایک قدیم خاندان سے تعلق رکھتے تھے جن کے بزرگون مین سے اکثر لوگ مغلون اور سکھون کے عہد مین عہدۂ قضا و افتا پر ممتاز رہے، (ظفرنامۂ رنجیت سنگھ از دیوان امرناتھ اکبری ص ۲، تاریخ لاہور از رائے بہادر کنہیا لال ص ۵۳) مفتی تاج الدین نے ۱۸۶۷ء مین میجر کلارک ڈپٹی کمشنر لاہور کے ایما سے یہ کتاب تالیف کی، مگر چھپ نہ سکی، اس کا ایک خطی نسخہ خان بہادر مولوی محمد شفیع صاحب سابق پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کے کتب خانہ مین ہے، اس کتاب مین وہ دو باب جو کہ دورِ مغلیہ کے لاہور

آباد تھا، اگرچہ آج ہمین معلوم نہین ہوسکتا، کہ اس محلے مین کون لوگ آباد تھے، لیکن یقین ہے کہ اس درجہ مین چارون جانب آبادی ہوجانے کے سبب یہ مقبرہ ایک بارونق مقام بن گیا تھا، اور اکبر کے عہد کی طرح اس کے جانشینون کے زمانہ مین بھی زیارت گاہِ خلق بنا رہا،

شہر لاہور کی بربادی |

جن کے ہنگامون سے تھے آباد ویرانے کبھی
شہر اُن کے مٹ گئے آبادیان بن ہوگئین

جب تک سرزمین لاہور سلاطین بابریہ کے سایۂ عاطفت مین رہی، لاہور کی رونق آبادی اور شان و شوکت قائم رہی، لیکن ۱۷۴۵ء مین آخری اولوالعزم ناظم پنجاب نواب زکریا خان کی وفات کے بعد مقامی امراء کی نااتفاقی، ناعاقبت اندیشی، خود غرضی، بے راہ روی اور مرکزی حکومت کی تغافل شعاری اور کمزوری نے اسلامی حشمت و جاہ کو افسانۂ ماضی بنا دیا،

اسی اثنا مین احمد شاہ دُرّانی کے پیہم حملون کا سلسلہ شروع ہوگیا، شاہ مذکور ہر بار مقامی حکام کو زیر کرکے اُن کے خزانون کو تاراج کرتا، اور واپس چلا جاتا، اُس نے اس ملک مین مقامی حکومت کی بنیاد نہین ڈالی، مقامی حکومت کی بربادی نے سکھون کے لئے راستہ صاف کر دیا، انھون نے اس سنہری موقع سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا، اور پنجاب کی پرامن شہری آبادی کو تاخت و تاراج کرنا شروع کیا، دُرّانیون نے تو محض شاہی محلات کی دولت پر ہی ہاتھ صاف کیا تھا، لیکن سکھون نے تحصیل مال و زر اور مسلمانون کے ننگ و ناموس کو پامال کرنے کے علاوہ انھین ذلیل کرنے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲۸) کے محلون اور سکھ دور کے باغات کے حالات پر مشتمل ہین، بہت قابلِ قدر ہین، ان ابواب کو جناب خان بہادر صاحب مذکور نے اورینٹل کالج میگزین کے نومبر ۱۹۴۳ء اور فروری ۱۹۴۴ء کے پرچون مین شائع کرا دیا ہے،

(محلہ قطب غوری کے لئے ملاحظہ ہو میگزین مذکور بابت نومبر ۱۹۴۳ء ص ۱۸)

کے لئے مساجد مین گھوڑے باندھنے شروع کر دیئے،

چنانچہ قاضی نور احمد جو احمد شاہ دُرانی کے ساتوین حملے کے وقت ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۲ء مین اس کے حلیف نصیر خان والی بلوچستان کی فوج کے ہمراہ پنجاب مین آئے تھے اپنی کتاب جنگ نامہ[۱] مین شہر چینوٹ کی حالت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہین،

شدہ شہر از جورِ سکھان خراب — ہمہ مرد مانش برنج و عذاب

ہمہ شہر ویران درون و برون — ہمہ قصر و کاخش شدہ سرنگون

مساجد ہمہ بود ویران درو — معابد خراب آخُر اسپان درو

ملک مین بد امنی کی وجہ سے مجلسی نظام درہم برہم ہو گیا تھا، اور تقریباً ہر شہر کی یہی حالت تھی، تجارت صنعت اور زراعت کا خاتمہ ہو چکا تھا، شدید قحط سالی نے ہزارہا خاندانون کو بربادی کے گھاٹ اُتار دیا تھا، ان ارضی اور سماوی صدمات کی بنا پر پنجاب کے دوسرے شہرون کی طرح لاہور بھی اُجڑ گیا، اور اسلامی عہد کے عدیم المثال محلے بے آباد ہو گئے،

محلہ مغل پورہ، بیگم پورہ، خوانی پورہ اور چوک دار جیسے مقامات کہ نزہت و دلآویزی مین اپنی مثال آپ تھے، اور دورِ عروج مین جن مین آدھی آدھی رات گذر جانے کے بعد بھی کھوے سے کھوا چھلتا تھا، اٹھارھوین صدی عیسوی کے آخری ربع مین ان مین دن دھاڑے گیدڑ بھیڑیے وغیرہ جنگلی جانور پھرنے لگے، اور مغل اُمراء کی سر بفلک حویلیان اور کاشی کار محلات زاغ و زغن کا مسکن بن گئے،

---

[۱] اگرچہ ادبی اعتبار سے قاضی صاحب کے اشعار بہت سقیم اور نہایت پست درجے کے ہین، لیکن تاریخی نقطۂ نظر سے ان کی کتاب ایک بے بہا تحفہ اور اس عہد کے سیاسی تمدنی اور سماجی حالات کی آئینہ دار ہے، مذکورۂ بالا اشعار کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ ۲۹،

آنجا کہ بود آن دلستان با دوستان در بوستان

شد کوف و کرگس را مکان شد گرگ و روبہ را وطن

اس تاریک دور مین محلہ قطب غوری بھی بے چراغ ہو گیا، اس زمانے مین مقبرہ کے چارون جانب نیم شکستہ عمارات اور رہائشی مکانون کے کھنڈرات تھے، ہر طرف ہو کا عالم تھا، اور شہر کو ادبار کی تیرہ و تار گھٹاؤن نے گھیر لیا تھا، قدیم رونق اور چہل پہل کا خاتمہ ہو چکا تھا، کبھی کوئی راہگیر یا لٹیرون کا گروہ ادھر سے گذر جاتا، ورنہ مدتون آدم زاد کی شکل نظر نہ آتی تھی، اور تمام زائرین اور فاتحہ خوانون کو فلاکت کی آندھی اس خطے سے اڑا لے جا چکی تھی،

مقبرہ کا انہدام

زمین بہ پشت خود الوند و بے ستون دارد

غبار ہاست کہ بر دوشِ او گران بود است

۱۷۹۹ء مین جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے لاہور پر قبضہ کیا، اس وقت شہر کے گرد دُور دور تک اسلامی دور کے محلون کے کھنڈرات تھے، اور اسلامی مقابر، مساجد اور باغات کس مپرسی کی حالت مین موجود تھے، جب اس دور مین شہر کی آبادی روبہ ترقی ہوئی، تو ان کھنڈرات کی اینٹین جدید تعمیرات مین صرف ہونے لگین، قدیم مقابر اور مساجد سے سنگ سرخ اور سنگ مرمر اتار کر دربار صاحب امرتسر اور لاہور کے نئے محلات کی تعمیر مین استعمال کیا جانے لگا، اس صدمہ سے بے شمار اسلامی یادگارین شہید ہو گئین، اور جو بچ رہین، ان کی یہ حالت ہے کہ جیسے کسی طاؤس زیبا کے پر نوچ لئے گئے ہون، اس کی بہترین مثال شاہدرہ مین آصف خان کا مقبرہ ہے، مفتی غلام سرور مرحوم لکھتے ہین[۱] کہ رنجیت سنگھ کے عہد مین لاہور مین دو ہزار کے قریب اسلامی یادگارین برباد ہوئین، آثار عتیقہ کے متعلق مولوی نور احمد چشتی[۲] یون رقم طراز ہین:-

---

[۱] تاریخ مخزن پنجاب صفحہ ۲۰۰ [۲] تحقیقات چشتی ص ۳۰۹،

"جب چھاؤنی ہائے افواج مہاراجہ رنجیت سنگھ تیار ہوئین، تو انہی مقبرون اور مکانات عہد سلف کی اینٹین اکھڑوا کر وہان صرف ہوئین، صرف جو جو مکانات کہ نہایت سنگین تھے اور اینٹین ان کی نہ اکھڑ سکتی تھین، بہزار وقت بچ رہے، ہزارہا مقابر و گنبد و مساجد باغات اور حویلیہائے قدیمہ جو یادگار امرائے سلف تھین گر گئین"[1]

چنانچہ رنجیت سنگھ کے حکم سے ایبک کا مقبرہ اور اس کی متعلقہ عمارات بھی گرا دی گئین سنگہائے مرمر اور اینٹون کے حصول کے علاوہ مقبرے کے انہدام کا دوسرا سبب فصیل شہر سے اس کی قربت تھی، فتح لاہور کے بعد رنجیت سنگھ نے اکبری دور کے بارہ دروازون والے قدیم شہر کو اپنا دار الحکومت بنایا، اور اس کے گرد دوہری خندق، فصیل اور برج بنوائے، اور اس فصیل کے باہر چارون جانب دو دو تین تین فرلانگ تک جس قدر قدیم مستحکم عمارتین تھین، ان کے گرانے کا حکم دیا، تاکہ کوئی غنیم ان مین قلعہ بند ہو کر شہر کے دفاع کے لیے خطرہ ثابت نہ ہو،

اس سلسلے مین جو فلک رفعت عمارات گرائی گئین، ان مین اس مقبرہ کے علاوہ مقبرۂ شاہ شرف[2] واقع بیرون بھاٹی دروازہ اور حمام دیا[3] خان واقع بیرون موچی دروازہ قابلِ ذکر ہین، مولوی نور احمد چشتی ایبک کے مقبرہ کا ذکر ان الفاظ مین کرتے ہین،

"معمر لوگ کہتے ہین کہ ہم نے اس قبر پہ گنبد دو منزلہ سنگِ مرمر کا دیکھا ہے، وہ گنبد ایسا خوشنما تھا کہ نواح لاہور مین ایسی عمارت اور دوسری نہ تھی"،

گنبد کے علاوہ مقبرہ کے وسیع احاطہ مین مسجد، باغ، بارہ دریان اور جلوخانے تھے، یہ سب عمارات برباد کر دی گئین، ہم وثوق سے نہین کہہ سکتے کہ آیا مقبرہ کی عمارت وہی تھی جو سلطان

---

[1] تحقیقات چشتی ص ۲۳۹ [2] تاریخ لاہور (رائے بہادر کنہیا لال صاحب) ص ۳۰۴، ۳۰۸ "لاہور" از سید محمد لطیف ص ۱۹۹ [3] تحقیقات چشتی ص ۵۴۲،

التتمش نے تعمیر کرائی، یا اس کے بعد کسی اور خیر اندیش اور نیک دل انسان نے اس مین ترمیم و اضافہ کیا تھا، یا اسکو از سر نو بنوایا تھا، بہرکیف اس مین شک نہین کہ مقبرے سے ملحق بہت سی عمارات فیروز تغلق کے عہد مین اور دور مغلیہ مین بھی بنوائی گئی تھین، جو دستبُردِ زمانہ کی نذر ہو گئین،

چشتی صاحب کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے، کہ مقبرہ کے انہدام کے وقت اس کی عمارت نہایت اچھی حالت مین تھی، اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے، کہ مختلف زمانون مین مسلمان اس قومی یادگار کی پوری نگہداشت رکھتے تھے، خصوصاً دورِ مغلیہ مین جب کہ مقبرہ کے چارون طرف محلہ قطب غوریہ آباد تھا، اہالیانِ محلہ مقبرے کی آبادی اور شکست و ریخت کی مرمت کا خیال رکھتے تھے،[1]

ایبک کا مرقد انگریزی دور مین

مٹ گئے تیرے مٹانے کے نشان بھی اب تو
اے فلک اس سے زیادہ نہ مٹانا ہرگز

انگریزی دور کے آغاز مین ایبک کی قبر بلند چبوترے پر ایک وسیع تکیے مین واقع تھی، اس کے متصل ایک مختصر سا قبرستان بھی تھا، اس تکیہ پر کنجڑون کا قبضہ تھا، اُسی دور مین یہان لہاری دروازہ سے لیکر مال روڈ تک صدر بازار انار کلی آباد ہوا، اور تکیہ کے جنوب کی طرف بوچڑ خانہ قائم کیا گیا، جب انگریزی عہد مین آہستہ آہستہ لاہور کی آبادی بڑھنے لگی، اور شاہجہانی دور کے لاہور کی طرح پھر اس کی وسعت مین اضافہ ہونے لگا، تو لاہور کے دوسرے مزارون اور تکیون کے مجاورون کی طرح اس تکیہ کے قابضون نے بھی آہستہ آہستہ زمین فروخت کرنی شروع کر دی، اور اس پر رہائشی مکانات تعمیر ہونے لگے،

سُنا ہے کہ اُنیسوین صدی عیسوی کے آخری برسون مین خاص قبر والے چبوترے کے نواح کو

---

[1] تحقیقات چشتی ص ۲۳۵،

ایک ہندو ٹھیکیدار نے کرایہ پر لیا، پہلے اوس نے خالی زمین پر کچھ عرصہ تک گنیتون مین استعمال ہونے والے ڈنڈون کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کیا، پھر کچے پکے سے جھونپڑے بنالئے، اور کچھ عرصہ بعد اس زمین کا مالک بن بیٹھا، اور مکانات تعمیر کرائے، اور ایبک کی قبر والے چبوترہ کے اوپر چھپت ڈال لی،

لوہاری دروازہ کے باہر انار کلی بازار اس وقت لاہور کا سب سے زیادہ بارونق بازار اور تجارت کا مرکز ہے، اس بازار سے میو ہسپتال کی طرف جانے والی سڑک پر جس کا نام لاہور کارپوریشن کے حکام نے حال ہی مین ایبک اسٹریٹ مقرر کیا ہے، میسرز آتمارام اینڈ سنز کتب فروش کی دوکان کے متصل ایک مختصر سی گلی ہے، اس مین تمام ہندو بستے ہین، اس گلی مین بائین ہاتھ کو ایک چبوترہ ہے، جو ایک رہائشی مکان کے ایک حصہ کے نیچے واقع ہے، اس کے تینون جانب مکان مذکور اور غربی جانب گلی ہے، اس چبوترہ پر ایبک کی قبر ہے، اور بقول حفیظ جالندھری

یہ تربت ماتمی ہے ان حجازی شہسوارون کی
مسلمانون نے مٹی بیچ لی ان کے مزارون کی

قبر محکمۂ آثارِ قدیمہ کے زیرِ نگرانی محفوظ ہے، پہلے محکمۂ مذکور کے اربابِ اختیار نے قبر اور چبوترے کو اینٹون سے بنوایا تھا، اور سنگ مرمر کی چھوٹی چھوٹی سلون پر اردو اور انگریزی مین ایبک کے متعلق دو کتبے بھی لگوا دیئے تھے، لیکن اب وہ اینٹین کچھ خراب ہو گئی تھین، اس لئے قبر اور چبوترے کو اب زرد رنگ کے پتھر سے بنوایا گیا ہے، جو کہ بہت مضبوط اور دیر پا ثابت ہوگا، مذکورہ بالا کتبے دوبارہ نہین لگائے گئے،

سلطان قطب الدین ایبک کی آخری آرامگاہ کی یہ حالت اہلیان ہندوستان کے لئے بالعموم اور مسلمانون کے لئے بالخصوص باعثِ ننگ ہے، حال ہی مین کسی شخص نے احسان اخبار لاہور مین یہ تجویز پیش کی ہے کہ ایبک کی ہڈیون کو یہان سے نکال کر مقبرہ جہانگیر کے وسیع باغ مین ایک جانب دفن

کردیا جائے، لیکن یہ امر مناسب نہین ہے، محکمۂ آثارِ قدیمہ کو چاہئے کہ چبوترہ کے متصل ایک دوکان خرید کر گرا دے اور اس کے اردگرد سبزہ زار لگوا کر قبر کے اوپر بارہ دری نما ایک خوبصورت عمارت بنوا دے مسلمان اربابِ اقتدار اہلِ قلم حضرات اور مدیرانِ جرائد کو اس کے لئے باقاعدہ جدوجہد کرنی چاہئے،

نامِ نیکِ رفتگان ضائع مکن
تا بماند نامِ نیکت برقرار

جب کبھی اُس مجاہد اور سخی سلطان کے مرقد کی زیارت کا اتفاق ہوتا ہے، تو اس کی گذشتہ عظمت و شوکت اور تاریخی اہمیت کا اندازہ کرتے ہوئے مزار کی موجودہ حالت دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ آنکھون مین پھر جاتا ہے،

لیکن اس سادہ سی قبر ہی کے مشاہدہ سے روح پر وہ ہیبت طاری ہوتی ہے کہ بڑے بڑے عالیشان اور منقش مقابر اور مزارات کو دیکھ کر بھی نہین ہوتی، چشم تصور کے سامنے اس مجاہدِ ملت کی زرپاشی، علم پروری، بزم آرائی، اور کشور کشائی کے سنہری کارنامے آجاتے ہین، اور زبان فیضی مرحوم کا یہ شعر گنگنانے لگتی ہے،

شدیم خاک و لیکن ز بوے تُربت ما
توان شناخت کزین خاک مردمی خیزد

فلسفۂ اقبال کا مرکزی خیال

وحدت و حرکت

از جناب شوکت سبزواری ایم-اے

اقبال کا ایک فلسفہ ہے اور مکمل فلسفہ ہے، اس کے فلسفیانہ نظام کے مختلف شعبون پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، اس کے تاریک سے تاریک پہلوؤن کو بھی اجاگر کرنے اور چمکانے کی کوششین کی گئی ہین، لیکن اس نظام کا مرکزی خیال کیا ہے؟ اس پر جہان تک مجھے معلوم ہے، اب تک ایک لفظ بھی نہین لکھا گیا ہے، ہر فلسفیانہ نظام کا ایک مرکزی خیال ہوتا ہے، جس پر اس نظام کی پوری عمارت قائم ہوتی ہے، مرکزی خیال ہی دراصل فلسفیانہ نظام کی جان ہوتا ہے، جو اس کے ڈھانچے مین نمو، حرکت اور ارتقا پیدا کرتا ہے، باقی دوسرے خیالات اس مرکز ہی کے چارون طرف گردش کرتے ہین، جس طرح ہمارے اس نظام شمسی مین سیارے آفتاب کے گرد چکر لگا رہے ہین،

مرکزی خیال کو اس وجہ سے بھی اہمیت حاصل ہے کہ اس کی مدد سے کسی شاعر یا فلسفی کے ثانوی افکار کی بھی صحیح صحیح توجیہ کیجا سکتی ہے، ثانوی افکار مرکزی خیال ہی پر مرتکز ہوتے ہین، وہ اسی ایک اصل سے پھوٹتے اور پھیل کر برگ و بار لاتے ہین ان مین بھی ذہنی روح ہوتی ہے، جو مرکزی خیال کے لئے سرمایۂ حیات ہے، اس لئے عام افکار، خیالات اور نظریات کسی طرح بھی اصل روح اور مرکز حیات سے قطع نہین کئے جا سکتے،

اقبال کا فلسفہ دراصل فلسفۂ حیات ہے جس مین زندگی اور اس کے امکانات کو روشنی مین لایا گیا ہے، زندگی کیا ہے؟ اس کا جواب آسان بات نہین، اور وہ بھی ایک فلسفی شاعر کے لئے.

حقیقتین بے رنگ اور کیف اور سرمستی سے خالی ہین، یہ بے رنگ حقیقتین آب و رنگ اور نقش و آہنگ کے روپ ہی مین جلوہ گر ہوتی ہین، اس عالمِ رنگ و بو کی حقیقت کم سے کم رنگ و بو نہین، کیف و آہنگ نہین، رنگینی و رعنائی نہین، بلکہ ان تمام مظاہر سے الگ ایک بے کیف روح ہے، قدرت نے اس بے کیف روح کو شعر و آہنگ کے قالب مین ڈھال کر پیش کیا ہے، شاعر کا کام یہ ہے کہ وہ سادہ خاکون مین رنگ بھرے، بے رنگ خطوط کو نقش رنگین بنائے، بے کیف سے سرور و سرمستی کی کیفیتین چھلکائے، اس کے لئے دشوار ہے کہ وہ حقائق سے رنگین پردے ہٹا کر ان کو عریان دکھائے،

لیکن ہمارے شاعر کبیر اقبال نے شاعر اور فلسفی کا دوگونہ متضاد فرض ادا کیا ہے، انھون نے حقائق کو بے نقاب تو کیا ہے، لیکن اس لطف اور نزاکت کے ساتھ کہ وہ اپنی ذات سے چمک اٹھے ہین، اقبال کے خیال مین حقیقت صرف ایک ہے، اور وہ ہے حقیقتِ کبریٰ، جسے اقبال نے (ultimate Reality) اور حیات برتر کہا ہے[1] یہ حیات اس عالم کی تنہا اور واحد حقیقت ہے، یہ جوہر و عرض، جسم و روح، زمان و مکان، مادہ و توانائی، فکر و عمل مختصر یہ کہ تمام ثنویتون کی جامع یہی ایک حقیقت ہے، یہ حقیقت روحانی ہے، اور انفرادی شخصیت کی حامل بھی، اسی لئے اقبال نے اس کو انا یا ایغو کی حیثیت مین پیش کیا ہے، ایغو مین ایک شخصی رجحان ہوتا ہے، اس مین ایک طرح کی مرکزیت پائی جاتی ہے[2] حیات ہر چند بسیط، مجتمع اور منفرد ہے، لیکن فکر انسانی اُسے کچھ اس طرح محسوس کرتی ہے گویا وہ برقی لہرون کی طرح پھیلتی جا رہی ہے، یہ فکر انسانی کی خصوصیت ہے، کہ وہ ہر بسیط سے بسیط حقیقت کو بھی مثال کے لباس مین پیش کرتا ہے، اس نے حیات کی عریان اور بسیط حقیقت پر بھی اس نے کائنات محسوس کے حجابات ڈال دیے ہین، اور اُسے اشیا مین اس طرح دوڑا دیا ہے گویا وہ کوئی مقناطیسی قوت ہے جو رگون مین خون کی طرح روان دوان ہے،

انا مطلق یا حیات برتر کی حقیقت اقبال کے نزدیک دوران مستمر (PURE DURATIO) ہے،

---

[1] خطبات اقبال ص ۵۰،

یا یون کہئے کہ وہ اصل حقیقت کا ایک اہم عنصر ہے[1]

سکون محال ہے قدرت کے کارخانہ مین

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانہ مین

کائنات محسوس اصل حقیقت تو نہین، لیکن حقیقت کا عمل مستمر ہے، عمل کی دو حالتین ہین، ایک عمل محض (pure act) دوسرے عمل ظاہر (Visible act) اس کی یہ حالتین ہی دنیاوی ثنویت کی ذمہ دار ہین، اقبال نے لکھا ہے، کہ نفس یعنی روح نام ہے عمل محض کا، اور جب یہ عمل محض ظاہری لباس مین جلوہ فرماتا ہے، تو ہم اُسے جسم کہتے ہین، جسم و روح کا فرق کوئی حقیقی فرق نہین، صرف ظہور و عدم ظہور کا فرق ظاہر و باطن کا فرق یا صورت و معنی کا فرق ہے،

روح اور جسم کی مثال آن (Instant) اور نقطہ (point) کی سی ہے نقطہ کی کوئی وضع نہین، اس کا کوئی مقام نہین، وہ تمام اوضاع، اشکال اور حدود سے پاک ہے وہ دراصل ذات مطلق کا فعل محض ہے، جو اس کی تخلیقی قوتون کے بے پایان امکانات مین کروٹین لے رہا ہے پنسل کسی ایک نقطہ پر ٹھہری ہوئی ہے، اس کو ذرا حرکت دیجئے، ایک طویل محسوس اور نمایان خط بنتا چلا جاتا ہے یہ خط اسی نامعین اور غیر محسوس نقطہ ہی سے وجود مین آیا ہے، جہان پنسل قیام کئے ہوئے تھی، اور حرکت نے اس کو وجود سے سرفراز فرمایا ہے، یہ حرکت سامنے کی طرف ہے، جس سے خط بنا ہے، جب یہ دائین بائین ہوتی ہے، تو خط کو پھیلا کر سطح بناتی ہے، سطح مین دو صفتین ہین، طول اور عرض یعنی لمبائی اور چوڑائی، یہی سطح اوپر نیچے حرکت کرنے سے اپنے مین عمق یعنی گہرائی بھی پیدا کر لیتی ہے، یہی جسم ہے، جسم مین بیک وقت تین بُعد (Dimension) پائے جاتے ہین، طول، عرض اور عمق، یہ تین بُعد والا جسم اسی نقطہ سے بنا ہے، جو اپنی ذات مین ان ہرسہ ابعاد سے محروم ہے، وہ دراصل

---

[1] خطبات اقبال ص ۵۵،

حرکت کا اولین مقام ہے، جہان سے حرکت کی ابتدا ہوئی ہے، ہم یہ بھی کہہ سکتے ہین کہ حرکت ہی نے اس بے وضع، بے مقام، اور بے کیف نقطہ کو آگے بڑھا کر اور سہ گانہ ابعاد کا جامہ پہنا کر جسم کی شکل مین جلوہ کنان بنایا ہے،

اگر کاغذ کی سطح نہ ہو اور ہم ذہنی طور پر اس نقطہ کو کسی فضا مین ساکن فرض کرین، اور پھر اسی کھلی ہوئی فضا مین ہر طرف اُسے دوڑائین، تو یقین ہے، کہ اسی طرح اس سے سہ گانہ ابعاد بنتے چلے جائین گے، اور آخر مین بن بنا کر ابعادی پیکر تیار ہو جائے گا، دراصل جسے ہم نقطہ کہتے ہین وہ آن یا لمحے کی کسی قدر کثیف اور محسوس شکل ہے، یا یون کہئے کہ نقطہ آن کا ایک کثیف تصور ہے، اس لئے کہ درحقیقت نہ نقطہ ہی کی کوئی شکل ہے، اور نہ آن کی، دونون بے کیف تصور ہین اور بس، لیکن ان مین سے ایک تصور کسی قدر لطیف ہے، اُسے ہم آن کہتے ہین، یہی تصور جب کثافت اختیار کر لیتا ہے، تو تمیز دینے کے لئے ہم اُسے نقطہ کہنے لگتے ہین، نقطہ اور آن حقیقت مین ایک ہین، یہی حقیقت واحدہ اس معمولی اور محض اعتباری فرق کی بنیاد پر دو مختلف سلسلون کو خلق فرماتی ہے، ایک سلسلۂ مکان، دوسرے سلسلۂ زمان، آن جو مبدا زمان ہے، زمان (Time) کی خالق ہے، اور نقطہ مبدأ مکان ہونے کی وجہ سے مکان (Space) کو پیدا کرتا ہے، ہم شاید یہ بھی کہہ سکتے ہین کہ بہت سے آنات جمع ہو کر زمان بناتے ہین، اور بے شمار نقطون کے اجتماع سے مکان وجود مین آتا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ نقطہ اور آن جہان سے مکان و زمان نے جنم لیا ہے ایک ہی حقیقت کے دو نام ہین، اس لئے زمان و مکان بھی حقیقت واحدہ ہی کے دو پہلو سمجھے جانے چاہئین، اور جدید طبیعیات مین سمجھے بھی جاتے ہین، آئن سٹائن نے جو نظریہ اضافیت (Relativity) کا دریافت کرنے والا ہے زمان و مکان کو ایک ہی قولہ (Category) بتایا ہے، اور ملا جلا کر اس کا نام اس نے مکان۔زمان (Space-Time) رکھا ہے، اگرچہ اقبال کے نظریۂ

کے مطابق اس کا نام (Time . Space) یعنی زمان، مکان ہونا چاہئے تھا، اس لئے
کہ وہ آن کو نقطہ سے زیادہ اہم بتاتے ہیں،[۵]

زمان مکان کے لئے ایسا ہی ہے، جیسے آن نقطہ کے لئے اور روح جسم کے لئے آن اور نقطہ واحد
ہیں، اسی لئے جسم و روح بھی ایک ہیں، جس طرح نقطہ آن کی کسی قدر کثیف صورت کا نام ہے، اسی طرح
جسم بھی روح کی کثافتوں سے ہستی کے لباس میں جلوہ آرا ہوا ہے، اقبال فرماتے ہیں "نقطہ کوئی چیز
نہیں، وہ صرف آن کا ایک منظر ہے، مولانا رومی نے ذیل کے شعر میں اسلامی روح کو غزالی کے
مقابلہ میں زیادہ صحیح طور پر پیش کیا ہے،

پیکر از ما ہست شد نے ما ازو

بادہ از ما مست شد نے ما ازو

حقیقت اصل میں روح ہی ہے، اگرچہ اس کے بہت سے مدارج و مراتب بھی ہیں"[۶]

یہ یقینی ہے کہ کائنات میں کسی طرح کی بھی ثنویت نہیں، جدید طبعیات و ریاضیات کا فیصلہ
بھی یہی ہے، لیکن اقبال کا رجحان روحی یا غیر مادی وحدت کی طرف ہے، اور جدید طبعیات کا
میلان مادی وحدت کی طرف قدیم طبعیات میں مادہ اور قوت (matter and energy)
دو بڑے قدیم آفاقی عنصر سمجھے جاتے تھے، اسی طرح جیسے عام مذاہب میں جسم و روح اور قدیم ریاضیات
میں زمان و مکان دو الگ الگ حقیقتیں شمار ہوتی تھیں، مشہور ماہر طبعیات پلانک (Planck)
کے نظریۂ ذراتِ اعمال (Quanta of actions) نے اب یہ ثابت کر دیا ہے، کہ جوہر
فرد جو کسی مادی یا طبعی مقدار کا مالک ہے، درحقیقت مادی جوہر نہیں، بلکہ ایک فعلی توانائی ہے
ہم جسے چیز کہتے ہیں، وہ اپنی حقیقت یا ماہیت کے اعتبار سے جزدی اعمال (atomic acts)

---

[۵] خطبات اقبال ص۲۶ [۶] ایضاً

کا ایک مجموعہ ہے زمان و مکان واحد ہیں، جسم و روح بھی ایک ہیں، مادہ اور توانائی میں بھی کوئی امتیاز نہیں،
آنات اور نقطے بھی ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں، کائنات میں صرف ایک ہی حقیقت ہے، جس نے
کثرت کا کھیل کھیلا ہے، اور یہ گوناگون عالم خلق فرمایا ہے، غالب فرماتے ہیں :-

کثرت آرائی وحدت ہے پرستاریِ وہم

کر دیا کافر ان اصنامِ خیالی نے مجھے

آئن سٹائن نے زمان کو مکان کا چوتھا بعد (Fourth Dimension) سمجھا،
اور شاید اسی لیے اس نے مکان و زمان کو ملا کر ایک مقولہ قرار دیا ہے، ہرچند اس نظریہ کی بنیاد بھی
وہی وحدت ہے، جو فکر اقبال کا مرکزی خیال ہے، لیکن اس میں زمان کی حیثیت ثانوی ہے، اور
اقبال اسے اولی حیثیت دیتے ہیں، اس لئے اقبال اس نظریہ سے متفق نہیں، حقیقت یہ ہے کہ زمان مکان
کی جان ہے، پانی کی موج کی طرح وہ مکان کے ایک ایک حصہ میں جاری و ساری ہے، یہ غلط ہے
کہ وہ سہ ابعادی جسم کی حرکت سے وجود میں آیا ہے، جو ایک ایسی سمت میں ہے جو اس میں موجود نہیں، بلکہ
حرکت کی اولین منزل پر ہی زمان کی روح بیدار ہو جاتی ہے، حرکت خود زمان سے الگ کوئی چیز نہیں،
وہ زمان ہی کے ایک رُخ کا نام ہے، حرکت اور زمان کی حقیقت تغیر ہے، دوران اور مرور ہے، امتداد
اور پھیلاؤ ہے، اور یہی امتداد اور پھیلاؤ کائنات محسوس کی موجودہ شکل و صورت کا ذمہ دار بھی ہے، مثال
کے طور پر یہ عرض کیا جا چکا ہے، کہ ایک بے وضع نقطہ کی حرکت سے کس طرح مسافت کے ابعاد پیدا
ہوتے چلے جاتے ہیں، یہ ابعاد جنھیں فلسفہ کی اصطلاح میں الگ الگ مکان بھی کہا جاتا ہے ایک
جسم محسوس کی صفات ہیں، اور اسی کے ساتھ قائم بھی، مسافت یا مکان کوئی ایسی چیز نہیں، جو جسم
محسوس سے الگ اور اس سے پہلے بنی بنائی موجود ہو، وہ جسم کے ساتھ ہی اس کے اجزاء یا صفات کی
طرح وجود میں آتا ہے، تغیر یا زمان ان تمام صفات اور ابعاد کو وجود میں لاتا ہے، یہ مطلق انا کی حیات

یا اس کا تخلیقی فعل ہے، کامل انا کی تخلیق اَنات کی شکل مین ہوتی ہے، آنات کے اجتماع ہی سے کائنات کی مجسم اور مادی اشیا بنتی ہین، اشاعرہ کا خیال ہے کہ دنیا کی ترکیب جواہر فردہ (Atoms) سے ہوئی ہے، یہ جواہر لاتناہی ہین، اس لئے کہ قدرت کی تخلیقی فعالیت کی بھی کوئی حد نہین، برابر جواہر عدم سے وجود مین آتے رہتے ہین، اس لئے کائنات ارتقاء پذیر ہے،

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

کائنات حقیقت کبریٰ کے بے پایان اعمال سے ہے، یا خود بے پایان اعمال ہی ہین جنھین کائنات کہا گیا ہے، یہ اعمال منفرد اناؤن کی صورت مین جلوہ فرماتے ہین، ہر انا ایک آن ہے، اور ہر آن خدائے برتر و توانا کی ایک شان ہے، اقبال نے لکھا ہے کہ ہم سب آبدار موتیون کی طرح ہین، جو حیاتِ برتر کے مستمر سیلان مین زندگی گزارتے اور حرکت کرتے ہین، حیات برتر ایک مستمر سیلان ہے، وہ اپنی ذات مین بے پایان امکانات کی حامل ہے، یہ امکانات پیہم ظہور مین آتے رہتے ہین، خدا کی حیات جلوہ نمائی سے ہے، جلوے بے شمار، اور نمود کے لئے بے تاب ہین،

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہین
ہم کہان ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خودبین

خدا فرماتا ہے :-

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ، ہر آن اس کی ایک نرالی شان ہے

ایک دوسرے مقام پر ہے،

وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، روز و شب کا اختلاف بھی اسی کے لئے ہے،

سلسلۂ روز و شب تار حریر دو رنگ جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات

مولانا روم فرماتے ہین،

دوست دارد دوست این آشفتگی کوشش بیہودہ بہ از خفتگی
آنکہ او شاہ ست او بیکار نیست نالہ از وے طرفہ کو بیمار نیست
بہر این فرمود رحمان اے پسر کل یوم ہو فی شان اے پسر

بظاہر یہ نظریہ ہمہ اوست (Pantheism) معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہین، اقبال کے نظریۂ توحید اور ہمہ اوست مین بہت بڑا فرق ہے، ہمہ اوست کی رو سے بھی وجود واحد ہی ہے، لیکن ساتھ ہی منبسط بھی ہے، کائنات کے ذرہ ذرہ مین وہ سرایت کئے ہوئے ہے، وہی ایک جوہر ہے جس نے ارض و سماوات کے اجرام و اجسام کو اپنا نشیمن بنایا ہے، اس مین انفرادیت کی شان نہین، وہ کسی مرکزیت یا اجتماعیت کا حامل نہین، آفتاب کا نور ہے، جو چپہ چپہ پر پھیلا ہوا ہے، برقی لہر ہے جو تار تار مین دوڑی ہوئی ہے، اقبال ہر چند وجود کو واحد بتاتے ہین، اور اسی طرح واحد بتاتے ہین، جیسے عام وحدۃ الوجود کے ماننے والے لیکن ان کا یہ وجود معین، متشخص اور مرکزی ہستی کا مالک ہے، وہ ایک انفرادی انا یا ایغو کی حیثیت مین ہے، وہ نور آفتاب کی طرح نہین، بلکہ خود آفتاب کی مثال ہے، جو ایک انفرادی ہستی رکھتے ہوئے بھی عالم کے گوشہ گوشہ کو منور کئے ہوئے ہے وحدۃ الوجود کے دو قطعی اور منطقی نتیجے ہین، جن سے کوئی ہوشمند انکار نہین کر سکتا، اول یہ کہ کائنات اور اس کے خالق مین درحقیقت کوئی مغایرت نہین، دونون ہر حیثیت سے ایک ہین، ان کو ایک دوسرے سے جدا سمجھنا ہی نادانی ہے، ویدانتیون کے الفاظ مین کہئے کہ اگیان (جہل) ہے، مثلاً دریا اور اس کے قطرے یا پانی اور اس کی موجین، قطرے اگر الگ الگ ہین تو قطرے ہی ہین اگر ان کو باہم ملا دیا جائے تو دریا، نور آفتاب اپنی ذات مین واحد ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی منبسط بھی ہے، جس طرح اس کے اس انبساط اور پھیلاؤ سے اس کی ذات مین کوئی اختلاف نہین ہوتا، اسی طرح وجود مطلق نے جو یہ گوناگون اشکال اور رنگا رنگ صورتین اختیار کی ہین، اور کائنات کی تنوعات کو خلق فرمایا ہے، اس سے بھی اس کی

ہستی کی یکتائی میں کوئی فرق نہیں آتا، یہ گوناگون عالم اس ہستی مطلق کے انوپ روپ ہیں، ویدانتیوں کا یہی نظریہ ہے، جسے ادویت کہتے ہیں،

دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ جب غیر خدا کچھ بھی نہیں تو بظاہر جو اختلاف یا تنوع نظر آرہا ہے، وہ ایک طرح کا فریب نظر ہے، ہم جب تک اس فریب نظر میں گرفتار ہیں، منفرد ہستی کے مالک ہیں، اور درمیانی حجابات اٹھتے ہی ہماری خودی ذات خدا میں فنا ہو جاتی ہے، قطرے دریا میں مل جاتے ہیں، اور دریا ہی دریا نظر آتا ہے،

اقبال نے ان دونوں نتیجون سے اختلاف کیا ہے، وہ کائنات کو عین خدا نہیں مانتے، بلکہ اس کا فعل قرار دیتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ خدا کے ہر ارادہ اور فعل سے (خدا کی ذات میں ارادہ اور فعل واحد ہیں) ایک انا سرزد ہوتا ہے، جس قدر یہ انا اپنی خودی کا استحکام کرتا ہے، اسی قدر وہ ترقی کرتا چلا جاتا ہے، اناؤن کے اس طویل ترین سلسلہ میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ انا انسان ہے، ان بے شمار اناؤن کے مجموعے کا نام کائنات یا آفاق ہے، یہی اناؤن کا سلسلہ آنات کا سلسلہ بھی ہے، اسی مجموعہ کو جواہر (Atoms) بھی کہا گیا ہے، اجسام اور ارواح کے تمام عالم اسی سلسلہ کی پیداوار ہیں، ہر چند اناؤن کی دنیا ایک لطیف دنیا ہے، لیکن اپنے کردار سے وہ ایک نئی دنیا تعمیر کرتے ہیں، جسے عالم اجسام کہا جاتا ہے، قرآن حکیم میں انا کو امر اور جسم کو خلق سے تعبیر کیا گیا ہے،

الا لہ الخلق والامر تبارک — امر اور خلق دونوں خدا کے لئے ہیں،

اللہ رب العلمین (سورۂ اعراف) — پروردگار عالم با برکت ہے،

جسم حوادث و اعمال کا ایک مجموعہ ہے، روح بھی اعمال کے ایک نظام کا نام ہے، لیکن در اصل جسم کی خالق روح ہے، جسم اعمال کے اس مجموعے کو کہتے ہیں جو روح کے ساتھ وابستہ ہے، جسم اس اعتبار سے روح کی ایک سیرت (Habit) ہے[1]، جسم اور روح میں اس درجہ اتحاد ہے کہ ارتقار کی

[1] خطبات اقبال ص ۱۰۰،

حالت میں روح جسم سے تبدیل ہو جاتی ہے، اور جسم روح سے، ہر انا لطیف ہونے کی حیثیت سے ایک روح ہے اگرچہ حقیر ترین اور ادنی درجہ کی روح ہے، بہت سے اناؤن کے اجتماع سے جب ایک بزرگ انا رونما ہوتا ہے، تو چھوٹے انا اس کا جسم بن جاتے ہیں، وہ ان چھوٹے اناؤن کے پیکر میں ارتقار کے منازل طے کرتا نظر آتا ہے[1]، خود کائنات بھی مطلق انا کا ایک عمل یا کردار ہے، قرآن کے دلنشین پیرایۂ بیان میں فطرت کو خدا کی سیرت یا سنت کہا گیا ہے، اور تو اور خیر و شر بھی ایک حقیقت کے دو پہلو ہیں، در اصل دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں، جسے اوروں سے جدا کیا جا سکے، سب ایک ہی نظام میں منسلک ہیں، اس لئے ان کے ترکیبی عناصر کو ایک دوسرے کی روشنی میں ایک دوسرے کی نسبت سے اور ایک دوسرے کے تعلق ہی سے سمجھا جا سکتا ہے،

غرق اندر رزم خیر و شر ہنوز — صد پیمبر دیدہ و کافر ہنوز

[1] خطبات اقبال ص ۱۰۰،

مبادی فلسفہ حصہ اوّل

مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کے مختلف فلسفیانہ مضامین کا مجموعہ ہے، مضامین دلچسپ اور طرز بیان رواں و شگفتہ ہے، ضخامت ۵۰ ا صفحے، قیمت عمر

مبادی فلسفہ حصہ دوم

یہ مولانا موصوف کے سات فلسفیانہ مضامین کا مجموعہ ہے، جو نظر ثانی کے بعد اس میں جمع کئے گئے ہیں، قیمت عہ

"منیجر"

''عربون کی جہازرانی''

استدراک

از

جناب ڈاکٹر حمید اللہ استاد جامعہ عثمانیہ

محترم جناب مدیر صاحب معارف   سلام مسنون

جناب کی قیمتی تالیف ''عربون کی جہازرانی'' پر عرصہ ہوا مین نے کچھ ٹوٹے پھوٹے خیالات لکھ بھیجے تھے، جناب نے ازراہ عزت افزائی (اپنی طرف سے استدراک کے مبالغہ آمیز ذرہ نوازانہ عنوان سے) معارف سنہ ۱۹۳۶ء جلد نمبر ۳۰، شمارہ نمبر ۵ تا ۶ مین ان کو شائع فرمایا تھا، اب دو ایک اور چھوٹی سی چیزین عرض ہین، مناسب معلوم ہو تو معارف مین شائع فرما دیجئے،

رسالہ معارف مذکور صفحہ (۳۳۴) مین عہد نبوی کی ایک بحری جنگ کا مین نے حوالہ دیا تھا[1] آپ ایک اور سریہ کا ذکر ملا ہے، جو ابن عساکر کی تاریخ دمشق سے ماخوذ ہے، چنانچہ غزوہ موتہ کے اسباب وغیرہ کے سلسلے مین لکھا ہے:

ذُرّ وی عن رجل من	ایک اشعری شخص سے جو صحابہ مین سے ہین
الاشعریین وکان من الصحابة	روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم	نے ان کو ایک کام کے لئے بھیجا، تو وہ جہاز

[1] معارف مئی وجون ۱۹۳۶ء

بعثه مبعثا فركب فيه البحر	پر سوار ہوئے اور ایلہ (خلیج عقبہ) اور
حتى خرج الى ايلة وما	اس کے قرب وجوار مین پہنچے، پھر جب
يليها فلما كان بالمكان	وہ شام (یعنی جنوبی فلسطین یا شرق الاردن)
الذي هو به من الشام	مین تھے، تو انھین (سپہ سالار) حضرت
بلغه قدوم زيد بن	زید بن حارثہ کے آنے کی اطلاع ملی،
حارثة وذلك الجيش	اور یہی فوج تھی، جو بلقاء (یعنی عمان)
بالبلقاء (عمان)	بھیجی گئی تھی،

سرکاری کام مین جہازون کا استعمال یا استفادہ عہد نبوی مین ہونا اس سے صاف ظاہر ہے، معارف صفحہ مذکور سطر ۹ مین کچھ بیاض رہ گئی ہے، اس مین وفاء الوفا جلد نمبر ۲ ص ۳۲۹ پڑھا جائے، مجھے اسد الغابہ جلد نمبر ۵ ص ۳، ۲ مین اس کا بھی ذکر ملا ہے، کہ نجاشی کا بھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم تھا،

جناب نے معارف صفحۂ مذکور کے حاشیہ پر نوٹ فرمایا ہے، کہ ابن سعد کا بیان کردہ عہد نبوی کا بحری سریہ درست نہین ہے، اگر اس کی تفصیل بھی ہو جاتی تو اچھا تھا، کیا یہ اس لئے غلط ہے کہ بعینہ یہی واقعہ طبری نے بہت دنون بعد کے ذکر مین نقل کیا ہے، یا کوئی اور وجہ ہے،

دوسرے یہ کہ قدامہ بن جعفر کی کتاب الخراج مین امیر البحر کو تقرر کے وقت دیئے جانے والے ہدایت نامے کا نمونہ بھی ملتا ہے، جو مخطوطہ استانبول سے لے کر رسالہ اسلامک کلچر حیدرآباد جولائی سنہ ۱۹۳۲ء مین نسخۂ عہد ولایت ثغر البحر کے عنوان سے اصل عربی مین چھپا ہے،

کاش جناب کی اس نفیس تالیف کا دوسرا اور جامع تر اڈیشن جلد شائع ہو،

استفسار و جواب

دور اکبری کے ممتاز امیر

شاہ فخرالدین موسوی

جناب مولوی حکیم بہاء الدین صاحب صدیقی گوپامئوی متصل مسجد وہائٹ گنج، ہردوئی، یوپی ‖ اپنے ذخیرۂ فرامین میں سے ایک اکبری فرمان کی نقل ابلاغ خدمت کرتا ہوں

اس میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ شاہ فخرالدین کون بزرگ تھے، کیا عہدہ تھا، اور کب تک اس عہدہ پر فائز رہے، جس کی وجہ سے ان کے نام کا طغرا اور مہر دونوں اس فرمان پر ثبت ہوئے"۔

میں نے متذکرہ امور معلوم کرنے کی بہت کوشش کی، مگر کامیابی نہیں ہوئی، آئین اکبری میں بزمرۂ دو ہزاری منصب داران ان کا صرف نام مل سکا اور بس، فرمان کی نقل درج ذیل ہے،

هُوَ المُعِز

بفرمان حضرت جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی

حکم شاہ فخرالدین الموسوی

دیوان وچودھریان وقانون گویان جاگیر خاصہ پرگنہ گوپامئو، از سرکار قنوج بدانند

کہ چون تقوی شعاری صلاح آبائی قاضی فتح اللہ بن اشرف مروے متورع وواجب الرعایت است وموافق مقبوضہ قدیم حسب الفرمان تضاجریان واجب الاذعان حضرت بادشاہ خلد اللہ ملکہ موازی چہار صد بیگہ زمین مزروع از موضع گرفتہ از پٹہ حویلی قابض ومتصرف است می بائد کہ زمین مذکور را بطریق...... وقاعدہ معمولہ از ابتداے خریف لوی ئیل در وجہ مدد معاش معاف ومسلم ومرفوع القلم دانستہ بعلت بالوجات ووجوہات واخراجات وغیر ذلک طلبی نکنند ومزاحمت نرسانند واز کل تکالیف دیوانی چون صدعکانہ دجریانہ وتکمار وزراع وصد ودی وقانونگوئی وشناوری وپیشکش نطلبیدن شناسند وبہیچ وجہ من الوجوہ...... نکنند، قدغن دانستہ درین باب توجہ نمایند،

(حررہ فی تاریخ شہر شوال ۹۷۵ھ)

مہر

۹۷۵
القوی
اللہ
توکلت علی
فخرالدین قاسم الموسوی
عبدہ

معارف:۔ شاہ فخرالدین موسوی مشہدی، امیر قاسم کے صاحبزادے اور دور اکبری کے ممتاز امراء میں سے تھے، اسی تعلق سے "فخرالدین قاسم الموسوی ۹۷۵ھ" مہر میں کندہ تھا، شاہنواز خان نے مآثر الامراء میں ان کے مختصر سوانح حیات لکھے ہیں، اور اکبری دور کی تاریخوں اکبرنامہ وغیرہ میں بھی مختلف سنین کے ذیل میں جستہ جستہ ان کے حالات ملتے ہیں، جن سنین کے واقعات کے ضمن میں ان کا تذکرہ اکبرنامہ میں آیا ہے، ان سنین کے ذیل میں اس دور کی دوسری تاریخوں میں بھی ان کا تذکرہ مل سکتا ہے، ان کے مختصر حالات ذیل میں درج ہیں،

شاہ فخرالدین شاہنواز خان کے بیان کے مطابق ۹۶۱ھ اور علامہ ابوالفضل کی روایت کے

بوجب ۹۶۲ھ مین اکبری مہم کے ساتھ اکبر کی معیت مین دریاے سندھ عبور کرکے ہندوستان مین داخل ہوئے، اور اسی زمانہ سے دربار اکبری سے وابستہ رہے، اور سرداری کے منصب پر فائز ہو کر مختلف مہمات مین عملی حصہ لیتے رہے، (مآثر الامراء جلد ۲ ص ۵۵۶ و اکبر نامہ ج ۱ ص ۳۴۲) چنانچہ ۹۷۱ھ مین وہ ان چند امراے اخلاص مین سے تھے، جن کو اکبر نے قصبہ دھار مین پہنچنے کے بعد عبداللہ خان ازبک کی گرفتاری کے لئے روانہ کیا تھا، اس مہم کی انجام دہی کے بعد وہ دوبارہ شاہی لشکر کے ہمرکاب ہوگئے،

(مآثر الامراء جلد ۲ ص ۵۵۶ اکبر نامہ جلد ۲ ص ۲۲۵)

اسی طرح وہ ایک زمانہ دراز تک سفر و حضر ہر موقع پر اکبر کے ساتھ رہے، ۹۷۲ھ مین وہ ایک مرتبہ ہاتھی کے شکار کے لئے جنگل مین گیا، شاہ فخرالدین بھی اس کے ساتھ تھے، اتفاق سے ایک ہاتھی ان پر حملہ آور ہوا، یہ گھوڑے پر سے گر پڑے، ہاتھی ان کو چھوڑ کر گھوڑے کی طرف متوجہ ہوگیا، اور وہ اپنی جان بچانے مین کامیاب ہوگئے، (اکبر نامہ ج ۲ ص ۲۳۳)

۹۷۳ھ مین وہ اکبر کے ساتھ دہلی مین مقیم تھے، دربار مین شہاب الدین ترکمان جاگیردار قصبہ بھوجپور کی شکایت پہنچی، کہ اس نے ایک مفرور سرکاری مجرم محمد امین دیوانہ کو جو لاہور سے فرار ہوا تھا، اپنے یہان روپوش رکھا، اور فرار کرنے مین مدد پہنچائی ہے، اکبر نے شہاب الدین ترکمان کو حاضر دربار کرنے کے لئے شاہ فخرالدین کو متعین کیا، وہ مہم لے کر گئے، اور اس کو گرفتار کر لائے، اکبر دلی سے کوچ کر کے مقام پلول مین ڈیرہ ڈالے تھا، یہین اس کو لے کر حاضر ہوئے، پھر شاہی لشکر کے ساتھ بیانہ روانہ ہوگئے،

(اکبر نامہ ج ۲ ص ۲۸۸)

آپ نے جس فرمان کی نقل بھیجی ہے، وہ اسی زمانہ، ۲ شوال ۹۷۵ھ کو لکھا گیا ہے، اور تاریخی حیثیت سے یہ پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ اس زمانہ مین شاہ فخرالدین کا مستقل تعلق کسی صوبہ کے بجائے مرکزی حکومت ہی سے وابستہ تھا، امراے دولت مین تھے، دیوان حکومت کے خدمات انجام دیتے اور مہمون

مین اکبر کے ساتھ جایا کرتے تھے

اس کے بعد ۹۷۹ھ یا ۹۸۰ھ مین وہ گجرات بھیجے گئے، اور ان کے خدمات حکومت گجرات سے وابستہ ہوگئے، چنانچہ یہان کے مختلف واقعات کے ضمن مین امتیاز سے ان کا تذکرہ اکبر نامہ مین آیا ہے، اس سلسلہ مین گجرات کے مختلف شہرون، احمد آباد، پٹن وغیرہ مین انھون نے مختلف خدمات انجام دیئے ہین، (تفصیل کے لئے دیکھئے اکبر نامہ ج ۲ ص ۲، ۳۶۲، ج ۳ ص ۵، ۶، ۷، ۲۳، ۲۴، ۴۲ وغیرہ)

اس کے بعد وہ ۹۸۴ھ مین صوبہ مالوہ کے ممتاز امراء مین نظر آتے ہین، اور اکبر کے سفر مالوہ کے موقع پر انعامات خسروی سے سرفراز کئے جاتے ہین، (اکبر نامہ ج ۳ ص ۱۹۴) اس کے بعد وہ اجین کی حکومت پر مامور کئے گئے، پھر ۹۸۶ھ مین ان کے متعلق فرمان نکلا، کہ وہ اجین کی حکومت کے بجائے پٹن گجرات کی حکومت کی باگ اپنے ہاتھ مین لے لین، اور ترسون خان کو جو پٹن کا حاکم تھا، دار السلطنت مین طلب کر لیا گیا، (ایضاً ص ۲۶۳)

اسی زمانہ مین جب وہ پٹن کے حاکم بنائے گئے، انھین نقیب خان کے خطاب سے بھی سرفراز کیا گیا،

مآثر الامراء مین ہے:-

"پس از آن بحکومت اوجین سربلند گشتہ لواے اعتبار برافراشت و بخطاب نقابت خانی چہرۂ امتیاز برافروخت، (جلد ۲ ص ۵۵۷)

اسی طرح اکبر نامہ مین ہے،

"میر فخرالدین مشہدی کہ بخطاب نقیب خانی بلند پایگی دارد، از اجین بحکومت پٹن گجرات روانہ گردد،" (ج ۳ ص ۲۶۳)

مآثر الامراء، شاہنواز مین شاہ فخرالدین کے سوانح حیات یہین پر آکر ختم ہوگئے ہین، اکبر نامہ مین اس کے بعد کے زمانہ کے حالات کا ذکر بھی مختلف سنین کے ذیل مین آیا ہے، لیکن ان موقعون پر ان کو

شاہ فخرالدین کے بجائے نقیب خان کے خطاب سے یاد کیا گیا ہے، اکبری دور میں "نقیب خان" سے موسوم
ایک دوسری شخصیت بھی تھی جس کا ابتدائً ذکر "نقیب خان ولد میر غیاث الدین علی" کی تصریح کے ساتھ
اکبر نامہ میں آیا ہے، (جلد ۳ ص ۳۲، ۳۵) اس کے حالات اور اکبری دور میں اس کی ذاتی وجاہت و
شخصیت شاہ فخرالدین سے ملتی جلتی ہے، اور اس زمانہ کے مصنفین کا یہ دستور رہا ہے کہ جب کسی کو کوئی
شاہی خطاب دیا جاتا تھا تو خطاب پانے کے بعد کے زمانہ میں وہ اس کو عموماً اسی خطاب سے موسوم
کرتے تھے، چنانچہ اکبر نامہ میں ۹۸۶ھ کے بعد کے زمانہ میں شاہ فخرالدین سے موسوم ہو کر ان کا کوئی ذکر
نہیں آیا ہے، بلکہ نقیب خان کا تذکرہ جا بجا ملتا ہے، لیکن اس نقیب خان سے مراد شاہ فخرالدین نقیب
خان ہے، یا نقیب خان ولد میر غیاث الدین علی، اس کی تعیین دشوار اور مزید تحقیق میں غیر معمولی وقت کے
صرف ہونے کا احتمال ہے، عجب نہیں کہ اسی وجہ سے شاہ نواز خان نے اپنی کتاب ماثر الامراء میں یہیں تک
ان کے حالات لکھ کر چھوڑ دیئے ہوں، اس لئے میں بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کے اتباع میں یہیں پر
ان کے سوانح کا تذکرہ ختم کر دوں، اور اگر ضرورت داعی ہوئی تو مزید تحقیق کو کسی آیندہ فرصت کے لئے
اٹھا رکھوں، کہ جہاں تک آپ کو بھی حالات کی جستجو تھی، وہ تو سطور بالا میں قلمبند ہو ہی گئے ہیں،

والسلام "س"

کتاب "خلفائے راشدین" کے بعض مسامحات کی تصحیح

جناب مولوی محمد علی نقوی
ٹکسال بازار، جے پور، راجپوتانہ

گذارش ہے کہ دور حاضر میں دار المصنفین نے جو
تاریخی خدمت زبان اردو میں انجام دی ہے وہ
قابل تحسین و آفرین ہے، ہندوستان میں شاید ہی کوئی ایسا ادارہ ہو جہاں ایسے گوہر بہا اور
تاریخی خزانے لٹائے گئے ہوں، اللہ تعالیٰ دار المصنفین کے کارکنوں کو جزائے خیر دے، احقر
ناچیز تاریخی و مذہبی کتابوں سے دلچسپی رکھتا ہے، امسال گذشتہ سیر الصحابہ کی تین جلدیں

منگائیں، ان کو دیکھتا رہتا ہوں، مولانا حاجی معین الدین مرحوم و مغفور کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر
عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے، انھوں نے ایسی عربی کتابوں کا عطر ہم
اردو پڑھنے والوں کے لئے نکال کر رکھ دیا ہے، جن کی صورتیں بھی ہم کو دیکھنی میسر نہ ہوتیں،
مگر ایک دو مقام پر شاید سہو ہو گیا ہے، چنانچہ خلفائے راشدین میں ص ۳۵۲ میں بحوالہ
بخاری کتاب المناقب علی ارقام فرماتے ہیں:-

"وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا کی آیت نازل ہوئی"

یہ آیت بخاری میں نہ کتاب المناقب میں موجود ہے، اور نہ کتاب التفسیر میں، یہ بخاری
کا حوالہ بالکل صحیح نہیں،

اسی طرح خلفائے راشدین کے صفحہ ۳۶۰ میں ملاحظہ ہو:-

"ان میں سے عباس کے علاوہ سب حضرت امام حسین کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے"
حالانکہ حضرت عباسؓ بھی کربلا میں شہید ہو گئے تھے،

معارف (۱) آپ کا شکریہ کہ آپ نے ایک غلطی کا حوالہ بتایا، وہ غلطی مصنف کی نہیں،
کاتب کی ہے، صفحہ ۳۱۲ طبع اول میں اس واقعہ اور اس آیت پر ۱ کا نشان لکھا گیا ہے، وہ غلط ہے
یہ نمبر ۱ کا حاشیہ دوسرے واقعہ پر ہے، جو اجلس یا ابا تراب سے متعلق ہے، طبع دوم میں جو آپ کے پاس ہے
یہ حاشیہ دونوں واقعوں پر مکرر ہو گیا ہے، جو تصحیح کے قابل ہے،
پہلا واقعہ بے شبہ صحیح بخاری میں نہیں، بلکہ اس آیت مذکورہ کے شان نزول کے سلسلہ میں
بعض کتب تفسیر میں مذکور ہے، جیسا کہ حافظ سیوطی نے درمنثور میں تفسیر ابن مردویہ سے بروایت ابن عباس نقل کیا ہے
(۲) عباس بن علی کی غلطی کی نشاندہی بھی صحیح ہے، آیندہ تصحیح کر دی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ، شکریہ،

"س"

ادبیات

نعت

از جناب طالوت

قبلۂ دل ہے روے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کعبۂ جان ہے کوے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آنکھ مین جلوۂ روے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
دل متوجہ سوے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

چہرۂ اطہر، رشکِ گل تر، غیرتِ مہر، جبینِ انور
رو کش عنبر موے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

عقل کی دنیا خواب سراپا، عقل کا جلوہ وہم و خیال
عشق کا رُخ ہو سوے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

شمسِ ضحیٰ ہو جلوۂ زیبا، زلفِ چلیپا یغشی اللیل
شکلِ ہلال ابروے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

جانِ دو عالم اس کی رضا، ایمانِ دو عالم حکم اُس کا
مصحفِ اقدس خوے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

دل صدیقؓ، زبان عمرؓ، عثمانؓ ہو مردم چشم حیا
اور علیؓ بازوے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

دین خدا بھی نکہتِ گل کی طرح فضا مین پھیل گیا
پھیلی جب خوشبوے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کوئی گداے درگہ سلطان، کوئی گداے امیر و وزیر
مین ہون گداے کوے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ایک دو ایک کی شان ہو، بڑھکر ایک ہر ایک کی آن دو دن
روے محمد، خوے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مشک ہے میرے گھر کی لونڈی عنبر میرے در کا غلام
مین ہون نسیم کوے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حدیث عشق و مستی

از جناب انور کرمانی

مدرسۂ بلند بانگ رسم صنم گری تمام
عشق حدیث زندگی، عشق ہو تیغ بے نیام

عشق سے بزم رنگ و بو، عشق سے شور ہاو ہو
عشق ہے درد جستجو، عشق ہے سوز ناتمام

عشق ہے رمزِ کن فکان، عشق ہو سرِ دو جہان
عشق حیاتِ جاودان، عشق پہ موت ہو حرام

رفعتِ چرخ نیلگون پست ہو چشم عشق مین
عشق حدِ مکان سے ہو جانب لامکان خرام

بادۂ حال و معرفت قسمتِ اہلِ ذوق و شوق
بزم خرد تہی سبو، محفلِ رقص تشنہ کام

قلب و نظر کی زندگی تیرے نصیب مین نہین
تیری اذان ہوئے شکوہ، تیری نماز بے امام

کس کی تلاش کے لیے صبحِ ازل سے ہین رواں!
مہر و مہ و نجوم کے قافلہ ہاے تیز گام

شوق کی واردات اور تیرے مشاہدات اور
تیرا کلام بھی سکوت، میرا سکوت بھی کلام

حسنِ دل نشین

از جناب آروش صدیقی

مستیٔ عشق بے حضور نہین
بیخودی آگہی سے دور نہین

اُس کے انداز بے نیازی مین
حُسن ہی حُسن ہے غرور نہین

کیفِ غم زینتِ حیات سہی
مگر اظہار کچھ ضرور نہین

اور ہی کچھ ہے رازِ بیتابی
عشق اتنا تو ناصبور نہین

ہر تجلی ہے خود حجاب نظر
حسرتِ دید کا قصور نہین

عشق، آزادِ رسم و راہ سہی
پھر بھی بیگانۂ شعور نہین

اُن کو پا کر بھی مضطرب ہی رہو
یہ بھی اُن کے روش سے دور نہین

مطبوعات جدیدہ

کتب سماوی پر ایک نظر، از جناب سید ذوقی شاہ صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت :- ۱۲/ علاوہ محصول ڈاک، پتہ :- اقبال اکیڈمی نمبر ۵ (الف) سرکلر روڈ، بیرون موچی دروازہ لاہور،

مصنف کی نظر توراۃ و انجیل، اس کی تفسیرون اور تاریخون پر بہت گہری اور وسیع ہے، اس کتاب مین انھون نے اس کی تاریخی سرگذشت، اس کے مضامین کی اندرونی شہادتون اور عیسائی و یہودی علمار محققین کے بیانات، اور دوسری موثق و مستند شہادتون سے توریت و انجیل کی تحریفات اور ان کی بے اعتباری کو ثابت کیا ہے، اور دکھایا ہے کہ یہودیون کے دشمنون کے ہاتھون بارہا ان کی حکومت کے ساتھ ان کی کتب مقدسہ کا نام و نشان بھی دنیا سے مٹا دیا گیا، اور پھر مدتون بعد محض زبانی روایات سے دوبارہ ان کی ترتیب عمل مین آئی، چنانچہ بہت سے ایسے صحیفے جن کا ذکر موجودہ توراۃ مین ہے، ضائع ہو گئے، یا جعلی قرار دے کر خارج کر دیے گئے، جن کی تعداد پچپن ہے، پھر توراۃ کے مختلف قلمی نسخون اور اس کے ترجمون مین بکثرت اختلافات ہین، بعض صحیفے بد اخلاقی کی داستانون پر مشتمل ہین، جو کلام الٰہی ہونے کے سراسر منافی ہے، توراۃ کے اکثر صحیفون کی تحریفات کو علحدہ علحدہ دکھایا ہے، اسی طریقہ سے انجیل کی تحریفات واضح کی ہین، اور ثابت کیا ہے کہ موجودہ محرف انجیل کی تعلیمات پر بھی عیسائیون کا عمل نہین ہے، اور تثلیث، الوہیت مسیح، قربانی، اور کفارہ کے عقائد انجیل کے سراسر خلاف ہین، کتاب کے مباحث کا یہ سرسری خاکہ ہے، اس کی خوبی اور جامعیت کا پورا اندازہ کتاب کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے تمام

دلائل اور شہادتین یہودی و عیسائی علمار کے بیانات سے دیگئی ہین، اردو مین اس موضوع پر اس سے زیادہ جامع کتاب موجود نہین ہے، عام اہل علم خصوصاً مناظرہ کرنے والون کے لئے کتاب نہایت مفید ہے،

اسلام کے سیاسی تصورات مرتبہ جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے، تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۴۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد ۱۲/ کلدار ۱۳/ عثمانیہ، پتہ :- نفیس اکیڈمی، عابد روڈ حیدرآباد دکن،

افلاطون کی کتاب ریاست سے لیکر کارل مارکس کی کیپٹل تک جو دنیاے جدید کا سب سے بڑا سیاسی صحیفہ ہے، حکومت و سلطنت کے متعلق تمام سیاسی نظریے اور اس کے نظامات سراسر مادی اور فیضان الٰہی سے محروم ہین، اس لئے اُن سے انسانیت کی فلاح نہ ہو سکی، اور اس زمانہ کے بڑے بڑے سیاسی مفکرین اس گتھی کو سلجھانے سے قاصر ہین، اس کے لئے کسی دلیل و برہان کی حاجت نہین، اس کے نتائج دنیا کی نگاہون کے سامنے ہین، صرف اسلام کا تصور مملکت انسانون کی دنیوی و اُخروی فلاح کا ضامن اور اس مشکل مسئلہ کا صحیح حل ہے، اس کے مختلف پہلوؤن پر اہل علم و اصحاب قلم نے وقتاً فوقتاً مضامین لکھے ہین، لائق مرتب نے ان مین سے چند منتخب مضامین کو اس کتاب مین سلیقہ سے جمع کر دیا ہے، اس مین حسب ذیل مضامین ہین، حکومت الٰہیہ سعید حلیم پاشا مرحوم، ان الحکم الا للہ اور حریت و اسلام مولانا ابو الکلام، سیاست، اور اسلامی قومیت سر اقبال مرحوم اسلام کا سیاسی نظریہ، اور اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، قرآنی تصور مملکت، عہد نبوی کی سیاست کاری کے اصول، اور دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور، ڈاکٹر حمید اللہ جامعہ عثمانیہ، اسلام کا نظریۂ خروج پروفیسر عبد القادر سروری، گو یہ مضامین اسلام کے سیاسی تصورات کے کل پہلوؤن پر حاوی نہین ہین، اور نہ ان کی تمام جزئیات

سے اتفاق ضروری ہے، لیکن ان سے اسلامی تصور مملکت کی اصلی روح، اس کے دینی و اخلاقی پہلوؤں اور تصور مملکت کے بارہ میں اس کے اور دوسرے مذاہب اور قوموں کے نصب العین کا بنیادی فرق اور اس کے مادی نظام کا سرسری خاکہ سامنے آجاتا ہے،

سراجًا منیرا مؤلفہ جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۲۸ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ، پتہ:- دفتر تبلیغ سنت، سیالکوٹ،

شریعت اور طریقت میں جسم و روح کا تعلق ہے، شریعت کے بغیر طریقت کا کوئی وجود نہیں، اور شریعت طریقت کے بغیر ایک جسد بے روح ہے، مصنف نے جو ان دونوں طریق کے جامع ہیں، اس کتاب میں شریعت کی روشنی میں طریق سلوک اور روحانی تزکیہ کے اصول و طریقے بیان کئے ہیں، اور دکھایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی فیض آج بھی جاری ہے، اور تا قیام قیامت جاری رہیگا اور اس سے استفاضہ کا وسیلہ آپ سے دلی محبت تعلق مع اللہ اور ظاہر و باطن کی تطہیر کے ساتھ ذکر و فکر ہے، اور اس ذکر و فکر کے ادعیۂ ماثورہ و اذکار مسنونہ ان کی تشریح اور ان کے ثمرات و نتائج کا مفصل بیان ہے، اس ضمن میں عہد صحابہ میں ذات نبوی کے برکات و صوفیائے کرام کے تجربات اور ان کی بعض تعلیمات کا بھی ذکر آگیا ہے، آخر میں عورتوں کی روحانی تعلیم کے مناسب حال ازواج مطہرات کے واقعات قلمبند کر دیئے گئے ہیں، کتاب دیندار مسلمانوں خصوصًا اس راہ کے سالکین کے مطالعہ کے لائق ہے،

انور نامہ حصہ اول شائع کردہ جناب مولوی محمد حسین صاحب محوی لکچرار اردو مدراس یونیورسٹی تقطیع بڑی، ضخامت سوا چار سو صفحات کاغذ سپید ٹائپ بہتر قیمت دس روپیہ، پتہ، مدراس یونیورسٹی سے ملے گی،

تیموریوں کے زوال کے بعد جنوبی ہند میں جو چھوٹے چھوٹے حکمران خاندان پیدا ہوئے ان میں

ایک ارکاٹ کا انوری یا والاجاہی خاندان بھی تھا، گو یہ خاندان انگریزوں کا ساختہ و پرداختہ تھا، اور اس کی حکومت کی مدت بھی مختصر تھی لیکن اپنی علم نوازی کی بعض قابل قدر یادگاریں چھوڑ گیا، ان میں سے ایک یادگار انور نامہ ہے، اس کا مصنف میر اسمٰعیل خان ابجدی نواب محمد علی خان والاجاہ اول ۱۱۷۹ تا ۱۱۹۵ھ کے دربار کا ملک الشعراء اور فارسی زبان کا استاد تھا، فارسی میں اس کی متعدد تصانیف ہیں جن میں سے ایک مذکورۂ بالا کتاب ہے، جو والاجاہ کے والد نواب انور الدین خان کے نام پر لکھی گئی تھی، اس میں والاجاہ کے محاربات نظم کئے گئے ہیں، اس لئے یہ کتاب فارسی نظم کے ساتھ نواب محمد علی خان کے عہد یعنی سولہویں صدی عیسوی کے نصف اول کی جنوبی ہند کی سیاسی تاریخ کا بھی ایک معتبر ماخذ ہے، مدراس یونیورسٹی نے اسلامک سیریز کے سلسلہ میں مولوی محمد حسین صاحب کی تصحیح و مقدمہ کے ساتھ اس کو شائع کیا ہے، کتاب کے شروع میں ان کے قلم سے ابجدی کے مختصر حالات اور کتاب کے آخر میں مشکل الفاظ کا فرہنگ اور اسماء و اعلام کا انڈکس ہے، جس سے کتاب سے استفادہ میں سہولت پیدا ہوگئی ہے، جنوبی ہند کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ کتاب مفید ہے،

سوویٹ یونین کی قومیں، از ڈاکٹر ادھیکاری مترجمہ جناب احمد حسین صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۵۹ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۲ر پتہ قومی دار الاشاعۃ بمبئی نمبر ۴

یہ کتاب مشہور کمیونسٹ لیڈر ڈاکٹر ادھیکاری کی ایک انگریزی تقریر کا ترجمہ ہے اس میں دکھایا گیا ہے کہ سوویٹ یونین نے روس کی مختلف قوموں کے مختلف فیہ مسائل کو کس طرح حل کیا ہے، ہندوستان کی طرح روس بھی مختلف نسل و زبان اور کلچر رکھنے والی قوموں کا دنگل ہے، جو روسی قومیت اور روسی حکومت میں ضم ہونا نہیں، بلکہ اپنا مستقل وجود قائم رکھنا چاہتی تھیں، اس لئے انقلاب روس سے پہلے اور سوویٹ حکومت کے قیام کے بعد بھی وہاں مختلف قوموں کے درمیان ویسے ہی اختلافی مسائل پیش آئے جیسے آج ہندوستان میں ہندو مسلمانوں اور دوسری قوموں کے درمیان درپیش ہیں،

روس کی محکوم قومین وہان کی پرانی استبدادی حکومت کے خلاف تو متحد تھین لیکن سویٹ حکومت کے قیام کے بعد وہ اپنے کو اس کے رحم وکرم پر بھی چھوڑنا نہین چاہتی تھین، اور اپنی مرضی اور اپنے سیاسی و تمدنی حالات کے مطابق اپنی آزاد حکومت چاہتی تھین، یہ بڑا نازک مسئلہ تھا، خود سویٹ یونین کی مختلف پارٹیان آزاد حکومتون کے قیام کے خلاف تھیں کہ اس سے روس ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، لیکن سویٹ حکومت کے پیش نظر یہ نکتہ تھا، کہ قومون کا اعتماد ان کو ایک مرکز کے ماتحت اور ایک سلسلہ مین منسلک رکھنے سے نہین بلکہ ان کو کامل آزادی، اور برابری کے حقوق دینے سے حاصل ہو سکتا ہے، چنانچہ اس نے سیاسی پارٹیون کی مخالفت کے باوجود سویٹ یونین کی ساری قومون کو نہ صرف حق خود اختیاری بلکہ سویٹ یونین سے علٰحدگی کا بھی اختیار دیدیا، اور جو قومین سویٹ حکومت سے تعلق قائم رکھنا چاہین، ان کو بلا لحاظ تناسب آبادی مرکزی حکومت مین مساوی نمایندگی کا حق دیا تاکہ کوئی قوم اپنی کثرت تعداد کے بل پر دوسری کم تعداد کی قوم پر زیادتی نہ کر سکے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان قومون اور جمہوریتون کو سویٹ یونین پر اتنا اعتماد ہو گیا، کہ وہ خود اس مین مساویانہ طور سے شریک ہو کر مشترکہ مفاد مین سویٹ یونین کی معاون و مددگار بن گئین، بعینہ یہی مسائل آج کل ہندوستان مین درپیش ہین، کیا ہندوستان کے لیڈر سویٹ یونین کے اس طرز عمل سے کوئی سبق حاصل کر سکتے ہین،

نئی صبح مترجمہ جناب ل احمد صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۷ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱۲؎ پتہ قومی دارالاشاعت بمبئی نمبر ۸

روس کی ایک خاتون انیا کیا نوفا نے جو انقلاب روس کی ایک سرگرم کارکن تھی، اپنی سرگذشت قلمبند کی تھی، نئی صبح اس کا اردو ترجمہ ہے، اس مین انقلاب سے پہلے روس کی عوام کی حالت، انقلاب اور اس کے بعد کے تعمیری کامون کا مختصر تذکرہ ہے، مترجم کا نام ترجمہ کی خوبی کے لئے ضمانت ہے، لیکن ان کا قلم رزم کے بجائے بزم کی مصوری کے لئے زیادہ موزون ہے، جس مین ان کی ایک عمر گذری ہے، پختہ عمر مین نیا رنگ مشکل سے چڑھتا ہے،

"م"

جلد ۵۷ ماہ ربیع الثانی ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۴۶ء عدد ۳

مضامین